تعلیماتِ اسلام کا علمبردار دینی و علمی ماہنامہ
الحق
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور پاکستان

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دار العلوم - ۴
جلد نمبر : ۹
شمارہ نمبر : ۱۲

فون نمبر رہائش - ۲
ستمبر ۱۹۷۴ء
شعبان / رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر
سمیع الحق

اس ــــــ شمارے ــــــ میں

بدل اشتراک : پاکستان میں سالانہ دس روپے	فی پرچہ ایک روپیہ	غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ۔

سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

قومی اسمبلی کا
تاریخی اور اسلامی فیصلہ!

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا

۷ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام کو ان آنکھوں نے قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ کا جو عظیم اور مبارک فیصلہ ہوتے دیکھا اس کے تاثرات اور احساسات کے اظہار سے قطعی طور پر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں، میرے سامنے وہ نازک لمحات گذر رہے تھے جن کا تقریباً پون صدی سے ملت مسلمہ کو انتظار رہا۔ کتنے اہل اللہ تھے جن کی نیندیں مسیلمۂ پنجاب علیہ ما علیہ کی فتنہ سامانیوں کو دیکھ دیکھ کر حرام ہوگئی تھیں۔ کتنے اکابر علم وفضل اور مردانِ بحث وتحقیق تھے جن کی علم وفکر کی ساری قوتیں اس راہ میں خرچ ہوئیں۔ کتنے اصحاب عشق وعزیمت تھے، جنہوں نے شہنشاہ دوعالم کی بارگاہ میں سرخروئی پانے کے لئے اپنی جانیں لیلائے ناموس ختم نبوت پر لٹادیں۔ کتنے ارباب جہد وجہاد تھے جنہوں نے کھلے دل اور کشادہ پیشانی سے اس راہ کی ہر قید وبند کی صعوبتوں کو گلے سے لگایا ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

کتنے اعاظم صدق وصفا تھے جنہوں نے وصیتیں کیں کہ اگر ایسا یوم مسعود اور فتح مبین دیکھنا نصیب ہو تو ہماری قبروں پر آکر مژدہ سنا دیا جائے۔ آج علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ارواح خوشی سے جھوم اٹھی ہیں۔ وہ دیکھو اقبالؒ، ظفر علی خانؒ اور الیاس برنیؒ کتنے شاداں وفرحاں ہیں۔ ثناء اللہ امرتسری کی سرخروئی میں اور بھی اضافہ ہوچکا ہے۔ پیر مہر علی شاہؒ اور محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہیں جگمگا اٹھی ہیں۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی، محمد علی جالندھری، احسان احمد شجاع آبادی، لال حسین اختر، چوہدری افضل حق کی محنتیں رنگ لائی ہیں۔ دیوبند، لدھیانہ، میرٹھ اور سہارنپور کے قدوسیوں میں جشن برپا ہے۔ الغرض ملاءِ اعلیٰ کی ساری کائنات محمد عربیؐ کے زمزموں سے گونج اٹھی ہے۔ باطل مٹ چکا، اہل باطل ماتم کناں ہوئے یہی ہونا تھا۔ ان الباطل کان زھوقاً ؎

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسراست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

۶ستمبر پاکستان کی جغرافیائی سرحدات کا یوم دفاع تھا، تو ۷ستمبر نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کی نظریاتی سرحدات کے ناقابل تسخیر ہونے کا اعلان ہے۔ ۷ستمبر کا فیصلہ عظیم فیصلہ، عظیم کارنامہ،

عظیم اجر و منزلت اور عظیم نتائج اور ذمہ داریوں کا دن ہے ـــــ خوشیوں اور مسرتوں کا دن ـــ پورے عالم اسلام کے نام لیوایان محمد عربی کے لئے کہ ان کے آقا اور مولیٰ کی ابدی عظمتوں اور دائمی رفعتوں پر ایک اور مہر لگ گئی ـــ پوری ملت اسلامیہ کی شادمانی کا دن ہے۔ اس لئے کہ ملت کی وحدت و یگانگت ان خائن ہاتھوں سے محفوظ کر دی گئی جن کی چیرہ دستیوں سے ملت کا شیرازہ دولخت ہو رہا تھا ـــ یہ فیصلہ باعث صد ہزار تحسین و تبریک ہے پوری قوم کے لئے، علماء اور طلباء کے لئے تجار اور ملازمین کے لئے اہل دانش اور اہل قلم کے لئے اہل علم و فضل کے لئے حاکم اور محکوم کے لئے عامۃ المسلمین کے لئے، پارلیمنٹ اور اس کے تمام ارکان کے لئے، حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے لئے، دینی اور سیاسی تنظیموں کی متحدہ مجلس عمل کیلئے، اور اس کے ایمانی بصیرت سے سرشار رہنماؤں کیلئے اور ان سب کے ساتھ وزیراعظم جناب بھٹو کے لئے کہ سب رضائے مصطفوی اور خوشنودی ربانی کے سزاوار ٹھہرے۔ انشاء اللہ ـــــ۔

مسلمانو! یہ فیصلہ ہمارے ذمہ ایک قرض تھا، محمد عربی علیہ السلام کا سامنا اس کے بغیر مشکل تھا۔ نہ ہم امیدوار شفاعت ہو سکتے تھے۔ مغربی سامراج کا پالا ہوا کتا خاتم النبیین کی عظمتوں کے آفتاب و ماہتاب کو ۷۰ ـ ۸۰ سال سے دیکھ کر بھونکتا رہا۔ وہ سامراج کا پروردہ تھا۔ اور ہم سامراج کے غلام، اس لئے مجبور و بے بس ـــــ تو اے لوگو! جشن آزادی منانے والو! اب تم ہمیشہ ۱۴ اگست کی بجائے ۷ ستمبر کو جشن آزادی منایا کرو کہ انگریزی استعمار ۱۴ اگست کو نہیں، ۷ ستمبر کو مر چکا۔ انگریزی مقاصد ۷ ستمبر کو خاک میں مل گئے۔ جھوٹے مدعی نبوت کی متعفن لاش ٹھکانے کے ساتھ ۷ ستمبر کو ہمیں استعمار کی گرفت سے نجات ملی۔ مگر اس کے ساتھ ہوشیار بھی رہو کہ یہ ضرب کاری استعمار و صیہونیت اور پورے عالم کفر کے لئے ناقابل برداشت ہے، وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں نہیں سہے گا، اس کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اور بھی بڑھ جائیں گی اور منصوبے اور بھی گہرے ہو جائیں گے۔ ہمیں بھی اس سے بڑھ کر تدبر و فراست دینی حمیت اور اتحاد و یگانگت سے کام لینا ہوگا۔ اور ملت مسلمہ کے تمام افراد کو اس کی فتنہ سامانیوں سے خبردار رکھنا ہوگا۔ پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں اس فتنہ کا تعاقب اور احتساب ۷ ستمبر کے فیصلے کا منطقی تقاضا ہے۔

مسلمانو! یہ فیصلہ ملت محمدیہ کی تاریخ کا ایک سنہری فیصلہ ہے۔ مسیلمہ پنجاب مر چکا ہے۔ اور عالم اسلام پر نبوت محمد عربی علیہ السلام کی ابدیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کی رسالت و شریعت کی ہمہ گیری اور عالمگیری کا اعلان چودہ سو سال بعد بھی ہو چکا ہے۔

یہ فیصلہ ارشاد خداوندی ـــــ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ

علی الدین کلّہٖ ــــ کا ایک اور ظہور ہے۔ یہ سب کچھ اس ذاتِ کبریاء عزوجل کی اُن رحمتوں کا نتیجہ ہے۔ جو اس کے آخری نبی کے لئے محفوظ و مخصوص ہیں۔ جس نے اپنے محبوب کو ورفعنا لك ذكرك سے مخاطب کیا اور جس نے انہیں وکان فضل اللہ علیك عظیما ــــ اور ــــ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ۔ کی بشارتیں دیں۔ حضور محمد عربی ؐ فداہ ابی و امّی علیہ السلام امر اور لافانی ہیں اس کی نبوّت و رسالت دائمی ابدی اور سرمدی ہے۔

پس اے اقوام عالم ! دیکھ لو۔ چودہ سو سال گذر جانے پر بھی محمد عربی علیہ السلام کے سر پر تاجِ ختم نبوت کیسا جگمگ جگمگ کر رہا ہے اور ان کی ذات پر قبائے تکمیلِ دین کتنی فِٹ اور خلعتِ اتمام نعمتِ دین کتنی زیبا ہے۔ کہیں اقوام عالم اور تاریخ ادیان و ملل میں اس ابدیت اور دوام کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے ؟ اگر نہیں تو آؤ اس ابدی صداقت ، **لافانی** حقیقتِ کبریٰ ، نبوت کے مقامِ معراج اور انسانیت کے مرکزِ ثقل سے اپنے آپ کو وابستہ کر لو اور اس کا دامن تھام لو۔ جبکہ وہ خاتم النبیینؐ ہیں تو سارے ادیان و ملل ، احکام و فرامین اور دساتیر و قوانین کا بھی اُسی پر خاتم ہو چکا ہے۔ یہی ختم نبوت کا مطالبہ ہے۔ اب ساری تہذیب ، سارے ازم ، اور سارے تمدّن اس کے مدنی تمدّن کے سامنے مٹ چکے ہیں۔

آج کے اس عظیم اور بے مثال فیصلہ پہ پوری ملّت کی طرح میری خوشیوں اور مسرّتوں کی انتہا نہیں میں اپنے آپ کو اس احساس حمد و ثنا اور اُن جذبات مسرت و **ابتہاج** کے اظہار سے قطعی عاجز پا رہا ہوں۔ پھر بھی جذبات کے طوفان میں رواں رواں خدائے رب العالمین کا احسانمند اور شکر گذار رہنا چاہیئے۔

پیارے قارئین ! خدارا مجھے بتائیے ، میں ان لامحدود اور غیر فانی مسرّتوں کو اپنے محدود اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں ــــ ؟

الحمد للہ الذی نصر عبدہ و انجز وعدہ و ھزم الاحزاب وحدہٗ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہٖ و کفیٰ باللہ شھیداً ــــ اللھم لك الحمد ملأ السمٰوٰت والارض لا نحصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك ۔

الصلوٰۃ والسلام علیك یا امام المرسلین یا قائد الخیر یا نبی الرحمۃ یا نبی الانبیاء یا امام الرشد والھدیٰ نفدیك بآبائنا و اولادنا و ارواحنا یا سید المرسلین ۔

ــــ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

سمیع الحق
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

قومی اسمبلی کا تاریخی فیصلہ

سفارشات اور آئین میں ترمیم کا بل

- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننے والا یا نبوت کا دعویٰ کرنے والا یا مدعیٔ نبوت کو نبی یا مصلح ماننے والا مسلمان نہیں۔
- قادیانیوں کے دونوں گروپوں کو آئندہ انتخابی فہرستوں یا رجسٹریشن میں غیر مسلم لکھا جائے گا۔
- کوئی شخص ختم نبوتؐ کے عقیدے کے خلاف پرچار نہیں کر سکے گا۔ خلاف ورزی قابل تعزیر جرم ہوگی۔

---

۷ ستمبر ہماری تاریخ کا نہایت تابناک اور تاریخی دن تھا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اس دن اپنے الگ الگ اجلاسوں میں آئین میں ترمیم کا ایک تاریخی بل اتفاق رائے سے منظور کر لیا جس کے تحت پاکستان میں قادیانیوں کے دونوں گروپوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔ آئین کی دفعات ۱۰۶ اور ۲۶۰ میں ترمیم کی گئی ہے اور قرار دیا گیا ہے۔ کہ ایسا کوئی شخص جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو یا خود کو کسی بھی صورت میں نبی یا مصلح ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا ایسے کسی کاذب نبی کو مانتا ہو وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ قادیانی اور لاہوری کے احمدی فرقے کے تمام ارکان کو آئینی اور قانونی طور پر پاکستان میں بسنے والے دیگر غیر مسلموں کی مانند سمجھا جائے گا۔ اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بودھوں، پارسیوں اور شیڈول کاسٹس کی طرح ان کے لئے بھی اسمبلیوں میں اضافی نشستیں ہوا کریں گی۔

آئین میں یہ ترمیم قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات کو قبول کرتے ہوئے کی گئی۔ یہ سفارشات خصوصی اسمبلی کمیٹی نے ایک متفقہ قرارداد کی صورت میں منظور کیں۔ ان کے تحت امت

مسلمہ کے نظریہ ختم نبوت کو جو آئینی تحفظ دیا گیا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جا سکے گی۔ قانون سازی کے ذریعے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف کے بعد ۲۹۵ ب کا اضافہ کیا جائے گا جس کے تحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے عقیدے کے منافی کسی بھی قسم کا پرچار قابل تعزیر جرم ہوگا۔ سفارشات کے تحت آئندہ انتخابی فہرستوں میں قادیانیوں کا اندراج بھی غیر مسلموں کے زمرے میں ہوا کرے گا۔

آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات

قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے، اس کی روشنی میں آئین پاکستان کی متعلقہ دفعات کی ترمیم کے بعد یہ صورت ہوگی۔

آرٹیکل ۲۶۰ | جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انداز میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا کسی ایسے مدعی نبوت یا مذہبی مصلح پر ایمان لاتا ہے۔ وہ از روئے آئین و قانون مسلمان نہیں ہے۔

آرٹیکل ۱۰۶ کلاز ۳ | آرٹیکل نمبر ۱۰۶ کی کلاز نمبر ۳ میں طبقوں کے لفظ کے بعد قادیانی یا لاہوری گروپ کے اشخاص جو "احمدی" کہلاتے ہیں، کے جملے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اضافے کے بعد کلاز ۳ کی صورت یہ ہوگی | "صوبائی اسمبلیوں میں بلوچستان، پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کی کلاز نمبر ا میں دی گئی نشستوں کے علاوہ ان اسمبلیوں میں عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں، پارسیوں اور قادیانیوں یا شیڈول کاسٹس کے لئے اضافی نشستیں ہوں گی۔

آئین میں دوسری ترمیم کے بل کا متن | یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے لہذا بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ | ۱۔ یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

۲۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ ۱۰۶ کی شق ۳ میں لفظ "اشخاص" کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو

احمدی کہتے ہیں) درج کئے جائیں گے۔

آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم | آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق ۲ کے بعد حسب ذیل نئی شقیں درج کی جائیں گی۔

(۳) جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو آخری نبی ہیں کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے۔ وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔

بیان و اغراض | جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے کہ اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

عبدالحفیظ پیرزادہ وزیر انچارج

تاریخی قرارداد کا متن

قومی اسمبلی کے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی نے متفقہ طور پر جو قرارداد طے کی ہے اور جس کی سفارشات کو اسمبلی نے منظور کیا ہے وہ یہ ہے:۔

قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے۔ کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لئے بھیجی جائیں۔

کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی مدد سے اس کے سامنے پیش یا قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قراردوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ و انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے۔

(الف) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔ (دوم) دفعہ ۱۰۶ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی

تعریف درج کی جائے۔

مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لئے خصوصی کمیٹی کیطرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودۂ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق ۳ کی تشریحات کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتخبہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں گے، جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے۔

۱۔ عبدالحفیظ پیرزادہ
۲۔ مولانا مفتی محمود
۳۔ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی
۴۔ پروفیسر غفور احمد
۵۔ غلام فاروق
۶۔ چوہدری ظہور الٰہی
۷۔ سردار مولا بخش سومرو

بقیہ: صـ ۲۲ رہا کہ کوئی شبہ نہ رہے۔ الحمدللہ آج پوری قوم خوشی منا رہی ہے۔ پون صدی کے اکابر کی قربانیاں رنگ لائیں، مٹھائی تقسیم ہو رہی ہے۔ آج نماز جمعہ کے بعد اللہ کی بارگاہ میں دو رکعت شکرانہ کی پڑھی جائیں ۔۔۔ البتہ ابھی غافل نہیں ہونا ہے۔ یہ قادیانی منظم ہیں۔ ان کی پشت پر امریکہ، برطانیہ اور صیہونی طاقتیں ہیں۔ اگر یہ لوگ **ذمی** بن کر پُرامن ہو کر رہتے ہیں تو ان کی حیثیت دوسری ہوگی۔ اور اگر متحارب ہیں۔ ذمہ و عہد کا پاس نہ کریں مسلمانوں اور عالم اسلام کے خلاف کام کریں تو پھر مسلمانوں کو بھی مناسب طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔ ان کا سیاسی احتساب کرنا ہوگا۔ اب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں کہ اللہ ہمیں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شامل رکھے اور شعائر اسلام اور نبی کریم کی عظمت و شوکت قیامت تک بلند سے بلند تر ہوتی رہے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قادیانی ـــ ایک غیر مسلم اقلیت

تاریخی اور اسلامی فیصلہ پر ـــ مرکزی مجلس عمل کی قرارداد

مرکزی مجلس عمل کے صدر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، نائب صدر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اور جمعیۃ علماء اسلام کے قائد حضرت مولانا مفتی محمود اور دیگر زعماء مجلس عمل نے ۸ستمبر کو اسلام آباد میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قومی اسمبلی کے فیصلہ کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس عظیم فیصلہ کو پوری قوم کی امنگوں اور خواہشات کا آئینہ دار قرار دیتے ہوئے اس شاندار فیصلہ پر وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو اور پارلیمنٹ کے ارکان کو مبارکباد پیش کی۔ مولانا بنوری نے کانفرنس میں بتایا کہ اس فیصلہ کے بعد اب قادیانیوں کو پاکستان میں تمام کلیدی آسامیوں سے الگ کر دیا جائے گا۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دے دیا جائے گا۔ اور قادیانیوں کی نیم فوجی تنظیم خدام الاحمدیہ اور فرقان فورس پر پابندی لگا دی جائے گی۔ کیونکہ حکومت نے ہمارے یہ مطالبات اصولی طور پر تسلیم کر لئے ہیں۔ اور مجلس عمل ان پر جلد از جلد عملدر آمد کرائے گی۔

مولانا بنوری نے کہا۔ پاکستان میں اسلامی نظام رائج کرنے اور ملک کو داخلی و خارجی خطرات سے نکالنے کے لیئے مجلس عمل کی کوششیں جاری رہیں گی، مجلس عمل ختم نہیں ہوگی۔ بلکہ قومی اتحاد کے جذبہ کو زندہ رکھنے کی کوشش کرے گی۔

مولانا مفتی محمود نے اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ قادیانی ملک کے وجود کے لئے خطرہ بن چکے تھے۔ آپ نے وزیراعظم بھٹو کی گذشتہ روز کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ افہام و تفہیم کے ذریعہ تمام مسائل کو حل کرنے کی جو تجویز پیش کی گئی ہے۔ ہم اس کا خیر مقدم

کرتے ہیں اور مسائل کو حل کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ لیکن افہام وتفہیم کے ذریعہ معاملات کو طے
کرنے کے لئے سب سے پہلے سیز فائر ضروری ہے۔ آپ نے کہا بات چیت کو آگے بڑھانے
کے لئے بلوچستان کے راہنماؤں اور کارکنوں کی رہائی ضروری ہے۔ اور ہم اس سلسلہ میں حکومت کی جانب
سے پیشقدمی کا انتظار کریں گے۔

مجلس عمل کی قرارداد مولانا مفتی محمود نے مرکزی مجلس عمل کے اجلاس میں منظور کردہ ایک قرارداد
بھی پریس کانفرنس میں پڑھ کر سنائی جس کا متن حسب ذیل ہے:

ذات باری تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے اسلامیان پاکستان کی تحریک تحفظ
ختم نبوت کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔ کم وبیش سو دن کی اس طویل جدوجہد میں جس طرح ہر مکتب فکر
سے وابستہ افراد نے بے مثال جوش وولولہ اور والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ اور جس خندہ پیشانی سے ہر
تکلیف اور مصیبت کا مقابلہ کیا وہ آنے والی نسلوں کے لئے انشاء اللہ سرمایۂ افتخار ثابت ہوگی۔

آج اسلامیان پاکستان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑے اجتماعات اور مظاہروں کے
ذریعے اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے اور خواہش کا واضح اظہار کیا۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں
نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی جانیں نثار کیں۔ قرارداد میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام
اور مشائخ عظام کو مبارکباد دی گئی۔ جنہوں نے قید وبند کی صعوبتیں اور مختلف النوع زیادتیوں کی پرواہ
کئے بغیر اعلائے کلمۃ الحق کہا اور مداخلت فی الدین کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔ وہ تمام سیاسی کارکن، وکلاء
اور معزز شہری جنہوں نے اس مقدس تحریک میں اپنی قوم کے ساتھ وابستگی کا ثبوت دیا اور ہر ابتلاء
اور آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور وہ طلباء اور نوجوانان ملت جنہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اس
تحریک کے لئے وقف کر دیں، سبھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کاروباری حضرات جنہوں نے مرکزی مجلس
عمل اور مقامی مجالس کی اپیل پر مکمل ہڑتالیں کر کے ایثار قربانی اور نظم وضبط کی درخشندہ مثالیں قائم کیں۔
اور صحافی حضرات بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے پابندیوں کے باوجود اس مقدس تحریک کے حق
میں آواز بلند کی جس کی پاداش میں انہیں حوالہ زنداں کیا گیا۔ اور ان کے جرائد کی اشاعت پر بندش عائد کر
دی گئی۔

قرارداد میں قومی اسمبلی کے ارکان کو بھی مبارکباد پیش کی گئی جنہیں قومی اسمبلی میں ملت کے جذبات
کی ترجمانی کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حکومت پاکستان اور پارلیمنٹ کے جملہ ارکان بھی مبارکباد
کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس دینی مسئلہ پر عوام کا ساتھ دیا۔ اور ملک کو متوقع خطرات سے بچا لیا۔ قرارداد

میں مزید کہا گیا ہے۔ کراچی سے لیکر خیبر تک اور کوئٹہ سے لاہور تک پوری قوم نے انتہائی اشتعال انگیزیوں کے باوجود جس صبر اور استقامت کے ساتھ اس تحریک کو پرامن اور باوقار طریقہ سے چلایا۔ وہ وطن عزیز کے مستقبل کے لئے یقیناً نیک فال ہے۔ آج کے دن مجلس عمل ان تمام مردانِ عزیمت اور علمائے حق کو سلام کرتی ہے جنہوں نے گذشتہ پون صدی کے دوران اس فتنہ کے انسداد کے لئے اپنی ساری قوتیں قربان کیں اور بے مثال خدمات سرانجام دیں۔ اس طرح مجلس عمل ۱۹۵۳ء کے تحفظ ختم نبوت اور اس تحریک کے قائدین کو بھی خراج عقیدت پیش کرنا اپنا فریضہ ملی سمجھتی ہے۔ جن کی لازوال قربانیوں نے ملت کے لئے حصول مقصد کو آسان بنا دیا۔

مجلس عمل نے خداوند ارض و سما کا شکر ادا کیا کہ اس نے اسلام کے اس بنیادی تصور پر ملت اسلامیہ پاکستان کو متحد کر دیا اور ملی اتحاد کی راہ میں حائل مشکلات اور رکاوٹوں کو ختم کر دیا جس کی وجہ سے برّاعظم کا قریباً ۹۰ سالہ پرانا مسئلہ بطریق احسن حل ہو سکا۔ جو نہ صرف اسلامیان پاکستان کے لئے باعث مسرت ہے۔ بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے اطمینان کا باعث ہوگا۔ مجلس عمل نے اس مبارک موقع پر قوم سے اپیل کی کہ قومی اتحاد کے اس جذبے کو دوام دینے کی کوشش کرے۔ تاکہ اولاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں کامل اسلامی نظام نافذ کیا جا سکے اور ثانیاً اس ملک کو اس اتحاد کی بدولت داخلی و خارجی خطرات سے محفوظ بنایا جا سکے۔ مرکزی مجلس عمل مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر کے علماء کرام کی احسان مند ہے کہ انہوں نے ہر مرحلہ پر مکمل تعاون کیا اور رہنمائی فرمائی۔ ان کے بے مثال دینی جذبے کی وجہ سے اس تحریک کے دوران ملی اتحاد کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے۔

قرارداد میں کہا گیا ہے۔ کہ ۱۳ ستمبر بروز جمعہ پورے ملک میں یوم تشکر منایا جائے۔ اس دن مساجد میں دعائیں مانگی جائیں اور ملک کے طول و عرض میں جلسے منعقد کئے جائیں۔ مجلس عمل کو یقین ہے کہ قوم ان تقریبات کے دوران اسلامی اخلاق اور نظم و ضبط کی تابندہ روایات کو حسب معمول قائم رکھے۔

پریس کانفرنس میں حسب ذیل زعماء موجود تھے۔ مولانا یوسف بنوری مولانا مفتی محمود۔ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔ مولانا شاہ احمد نورانی، نوابزادہ نصر اللہ خاں۔ پروفیسر غفور احمد۔ مولانا جان محمد عباسی۔ علامہ محمود رضوی ملک محمد قاسم۔ مولانا تاج محمد۔ مولانا ظفر احمد انصاری۔ میاں فضل حق چوہدری۔ غلام جیلانی۔ سید مظفر علی شمسی۔ مولانا عبدالقادر روپڑی۔ علی غضنفر کراروی۔ سید محمد علی رضوی۔ مولانا عبدالرحیم اشرف۔ مولانا احسان الٰہی ظہیر۔ رانا ظفر اللہ۔ مولانا حبیب الرحمٰن بخاری۔ میجر اعجاز احمد۔ قاری سعید الرحمٰن۔ مولانا فتح محمد۔ مہر عالم بخاری۔ ثناء اللہ بھٹہ۔ مولانا سمیع الحق، حافظ محمد ابراہیم قمر پوری وغیرہ۔

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب

قادیانی مسئلہ میں مسلمانوں کی
فتح مبین

جامع مسجد اکوڑہ خٹک میں خطبۂ جمعۃ المبارک ۔ یوم تشکر ۱۳ ستمبر ۱۹۷۴ء ۔ ۲۵ شعبان ۱۳۹۴ھ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
قال اللہ تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

میرے محترم بھائیو! اللہ جل جلالہ کا پاکستان اور ساری دنیا کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور ایک فتح عظیم اللہ نے مسلمانوں کو دی ہے۔ ہمارے جسم کا ایک ایک رواں بھی اگر سربسجود ہو کر اس احسان اور نعمت کا جو اللہ نے ہم پر فرمائی ہے، شکر ادا کرنا چاہے تو ادا نہیں کر سکے گا۔
بھائیو! ہم اور آپ اپنی جان اپنے مال اپنے بچوں کا انتظام کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق ایک گھر بناتا ہے۔ چار دیواری کھینچتا ہے۔ دروازے لگاتا ہے صرف اس لئے کہ میرا گھر اور بال بچے چور ڈاکو اور سارے خطرات سے محفوظ رہیں۔ اور جب گھر کی ہر طرح حفاظت ہو جائے تو سب کی خوشی کا باعث ہوتا ہے ــــ دنیا میں ہر قوم اپنے ملک کی حفاظت کرتی ہے ــــ ہمارا ملک ہے ہم اس کی سرحدات کی حفاظت کرتے ہیں، ملک میں کسی قسم کی خلفشار برداشت نہیں کرتے۔ ہر ملک اپنے بجٹ میں اربوں روپے رکھتے ہیں۔ فوج کا کام یہی ہے۔ پولیس داخلی خلفشار کو روکتی ہے۔ فوج بیرونی حملوں سے حفاظت کرتی ہے۔ ملک اور سرحدات کی حفاظت کے لئے ہزاروں لاکھوں لوگ قربان ہو جاتے ہیں۔ اور جب ملک محفوظ ہو جائے تو قوم فتح کی خوشی مناتی ہے ــــ تو جیسا کہ اپنی جان و مال عزت و آبرو ماں باپ اور اولاد کی حفاظت ہو جانے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ روح کو اطمینان ہو جاتا

ہے تو ایک مسلمان کے نزدیک تو حضورِ اقدس ؐ کی عزت و ناموس ان سب چیزوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ تو جب حضور ؐ کی عزت و ناموس ان کی شانِ رفیع ان کی بلند مرتبت و مقام کی حفاظت ایک چور اور ڈاکو سے ہو جائے تو کتنی خوشی ہو گی۔

بیوی بچوں، ماں باپ کی حفاظت سے زیادہ اس پر خوشی ہوتی ہے۔ ملک کی حفاظت ہو جائے، وہ بھی خوشی کی بات ہے، مگر اس سے بھی بڑھ کر سب سے بڑھ کر مسرت یہی ہے کہ دین اسلام محفوظ ہو۔ اور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس، عزت و مرتبت کو خداوند تعالیٰ محفوظ فرماوے۔

میرے محترم بزرگو! اللہ جل مجدہٗ نے مسلمانانِ پاکستان اور عالمِ اسلام پر بڑی مہربانی، ستمبر کی تاریخ کو فرمائی۔ اس لئے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت جو احمدی کہلاتے ہیں اور ان کے پیشوا ــــ مرزا غلام احمد ــــ وہ نقب لگا رہا تھا۔ خاتم النبوۃ کے قلعہ میں، اور اس تاجِ عظیم میں دست اندازی کر رہا تھا۔ جو خاتم النبوۃ کی شکل میں اللہ جل مجدہٗ نے حضور ؐ کے سر پہ رکھا تھا ــــ ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ آپ کی ذات سے نبوت کو درجۂ کمال پر اللہ نے پہنچا دیا ہے۔ اور دیکھئے ہر چیز کی دنیا میں ایک انتہا ہوتی ہے۔ سوائے خدائے حی و قیوم کے کہ وہ سرمدی ابدی ازلی دائمی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے۔ اور ایک انتہاء ایک آغاز ہوتا ہے۔ اور ایک کمال انسان کو لیجئے۔ پہلے بچہ ہوتا ہے ۴۰ سال میں کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر زوال پھر ختم ہوتا ہے، قبر میں جاتا ہے۔

یہی حالت ہر چیز کی ہے۔ نبوت کا سلسلہ اللہ جل مجدہٗ نے حضرت آدم سے شروع فرمایا اور نبی کریم کی ذات بابرکات اسے کمال اور عروج تک پہنچا دیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اس مقام و مرتبہ پہ اللہ نے حضورِ اقدس ؐ کو فائز فرما دیا۔

مرزا غلام احمد نے ختم نبوت سے انکار کیا اور خود نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا اور ایک شخص جب بے حیا ہو جائے تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ اذا لم تستحی فاضغل ماشئت۔ جیسے دنیا میں چور ہوتے ہیں پہلے چوری چھپے معمولی معمولی چیز چرا لیتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بڑی ہو جاتے ہیں تو اس مرزا غلام احمد نے بھی کہا کہ میں آدم ہوں میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں میں موسیٰ اور عیسیٰ ہوں یہاں تک کہا کہ میں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور سب انبیاء سے بھی افضل ہوں۔

اور ایک جگہ اس نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ میری شکل میں آج آئے۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی کہا کہ حضورِ اقدس پہلی رات کے چاند ہیں تو میں چودھویں صدی میں آیا تو میں بدر (چودھویں کا چاند) ہوں۔ یہ مرزا کی وہ باتیں ہیں جس کا اسمبلی میں بھی مرزا ناصر سے انکار نہیں ہو سکا۔ اور اپنے آپ بدر کامل اور حضورِ افضل الانبیاء کو پہلی رات کا چاند کہا۔ صرف ایک نبی کی توہین نہیں بلکہ سید الکائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور تمام انبیاء کی بھی توہین ہے۔ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم کون ہے کہ میرے منبر پر بھی قدم رکھ سکے ۔۔۔

بھائیو! یہ ایک کذّاب اور بہت ہی بڑا جھوٹا شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کا امتحان کرانا تھا۔ اور مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضورؐ آخری نبی ہیں ان کے بعد قیامت تک نیا نبی نہ مبعوث ہوگا نہ آسکتا ہے نیا نبی نہ ظلی نہ بروزی۔ اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ نجات و فلاح دنیا کی ہو یا آخرت کی صرف حضرت محمد الرسول اللہ کی پیروی میں ہے۔ جنت بھی اسی کے اتباع سے ملتی ہے۔ مگر مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ جس نے میری پیروی نہ کی اور مجھے نبی نہ مانا خواہ اس نے میرا نام بھی نہ سنا ہو۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتا ہو مگر مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج، کافر اور پکا کافر ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور جنت ہمیں اس نماز روزہ، حج زکوٰۃ سے دے گا جو حضورِ اقدس نے ہمیں بتلائے۔ مرزا کہتا ہے کہ نہیں جو میں کہوں گا حلال و حرام اس کی بھی پیروی کرنا ہوگی ۔۔۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ جنت تلوار کے سایوں میں ہے۔ جو مسلمان اللہ کی رضا کیلئے ملک قوم اور اسلام کی حفاظت کے لئے جہاد کرتا ہے اُسے جنّت نصیب ہوگی وہ انگریز سے، سکھ سے، ہندو سے جہاد کرتا ہے۔ تو اگر اس پہ تلوار کا سایہ بھی پڑھا تو بلاحساب جنّت جائے گا۔ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہے کہ الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔ جہاد منسوخ نہیں ہوا، ہر دور میں جب کفر و اسلام کا مقابلہ آیا۔ ہم جہاد کریں گے، حتیٰ کہ حضورِ اقدس فرماتے ہیں کہ تمہارا امیر اور تمہارا حاکم اگر بدکردار اور بدعمل ہے اور تم ان سے ناراض بھی ہو مگر جب اس نے جہاد کا نعرہ بلند کیا تو اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔

ایوب خان سے کون خوش تھا، مگر جب اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ کر جہاد کا نعرہ بلند کیا تو سب کو معلوم ہے کہ ہر منبر و محراب سے آواز اٹھی کہ آگے بڑھو۔ یہ نہ دیکھا کہ ایوب خان سے لوگ خوش ہیں یا نہیں۔ یحییٰ خان شرابی زانی ہے یا نہیں؟ جو کچھ ہے مگر اب وقت ہے جہاد کا ۔۔۔ تو جہاد کی اتنی اہمیت ہے۔ جہاد قیامت تک رہے گا۔ اور جس قوم سے جہاد اٹھ گیا تو وہ قوم بے عزّت ہوکر

رہ گئی اصل زندگی جہاد ہی میں ہے۔
ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتٌ بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون۔ مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ میری پیروی کروگے۔ تب جنت جاؤگے۔ اور اب جہاد حرام ہے، قطعی حرام ہے۔ اور جس مسلمان کے دل میں بھی انگریز کی مخالفت کا خیال گذرے تو وہ جہنمی ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنی امت کو جو پانچ بنیادی اصول اپنی دعوت کے بتلائے۔ اور وہ گویا مرزائی مذہب کی پنج بناء ہے۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کے پانچ اصول کلمۂ شہادت نماز روزہ، زکوٰۃ حج ہے۔ تو اس کے بنیادی سبق میں یہ ہے کہ برطانیہ اور حکومت انگلشیہ کی وفاداری اور اطاعت و تابعداری کرنا ہوگی۔ اور ہم نے یہ بھی وہاں اسمبلی میں اُس سے تسلیم کروا دیا کہ یہ تو تمہاری پنج بناء ہے اور وقت آئے گا۔ کہ یہ سب مباحث قوم کے سامنے بھی آجائیں گے۔

جہاد کو بالکل حرام کہا۔ عراق جب انگریزوں نے فتح کیا تو ان لوگوں نے قادیان میں چراغاں کیا۔ لوگوں نے کہا کہ مسلمان تو رو رہے ہیں کہ انگریز نے ایک اسلامی ملک پر قبضہ کیا اور تم چراغاں کر رہے ہو۔ کہا ہاں ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ یہ انگریز تو ہماری تلوار ہے۔ اور یہ تلوار جہاں جہاں پہنچے وہاں مرزائیوں کی فوج بھی جائے گی۔ چنانچہ فرنگی نے عراق کا پہلا گورنر قادیانی ہی کو مقرر کیا۔ ترکوں سے لڑائی ہوئی اور فتح ہوئی تو مبارکباد دی کہ شکر ہے کہ خدا نے انگریز کو کامیاب کر دیا۔

ـــ تو میں کہاں تک عرض کروں کہ ان لوگوں کا کردار کیا ہے۔ اور عزائم اور محرکات کیا ہیں۔
پاکستان بننے کے بعد پہلے یہ ارادہ تھا کہ کشمیر کو قادیانی ریاست بنا دیا جائے۔ مگر جب مسلمان سمجھ گئے تو انہوں نے جیل بھر دیئے اور ان کے عزائم ناکام بنا دیئے۔ اس کے بعد مرزا بشیر الدین نے اپنے لوگوں کو تلقین کی کہ بلوچستان کا رقبہ بہت وسیع ہے۔ مگر مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے۔ اس لئے قلت تعداد کی بناء پر اس کو قادیانی ریاست بنانا بہت آسان ہے۔ اگرچہ وہ غیر آباد رقبہ ہے۔ مگر جب ایک صوبہ الگ اپنا ہوگا۔ تو ایک حیثیت ہوگی۔ یہ بات بھی بحث میں اس سے منوالی گئی انکار کیسے ہو سکتا تھا کہ تحریرات حوالے کتابیں موجود تھیں یہ بھی ثابت کرا دیا کہ تقسیم ہند کے وقت تحصیل گورداسپور جہاں قادیان ہے انہوں نے خود یہ درخواست دی ۲۸ برس پیشتر کہ ہم ایک الگ فرقہ ہیں ـــ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو کہا ہمیں بھی دیگر اقلیتوں عیسائیوں وغیرہ کی طرح الگ نشستیں مقرر کرادی جائیں۔ اگر اس وقت یہ درخواست نہ دی ہوتی تو یہ مسلمانوں میں ہو جاتے اور شاید یہ علاقہ پاکستان کے ہاتھ میں ہوتا اور کشمیر بھی نہ نکلتا۔ یہ تقسیم آخر میں پاکستان کے ساتھ غداری تھی۔ تو گویا ۲۸ سال پہلے ان کی جو درخواست

تھی وائسرائے ہند کے نام وہ سات ستمبر کو اسمبلی کے ذریعہ منظور ہوا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اسمبلی یا پاکستان نے انہیں کافر نہیں بنایا وہ خود تقریباً نوّے سال سے تمام مسلمانوں کو کافر اور پکّے کافر کہتے ہیں کہ پکّے کافر ہیں کچے بھی نہیں ۔۔۔۔

جب ناصر سے یہ پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہو تو نظر نیچی کر کے کہا کہ ہم مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ تو ہم نے مرزا غلام احمد مرزا بشیر کی ایسی عبارتیں پیش کیں کہ وہ تو کافر کہتے ہیں۔ کہا کافر ہیں مگر کچے قسم کے کافر ہیں معمولی قسم کے کافر ہیں ۔۔۔ تو کہا کہ اچھا وہ تو اسی عبارت میں کہتا ہے کہ کافر ہیں پکے کافر ہیں۔ تو اب پکّے کافر کچّے کافر کیسے ہو گئے ۔۔۔ والد اور دادا تو ہم سب کو کافر کہتا ہے سمجھتا ہے۔ تم کیسے مسلمان کہہ سکتے ہو۔ تو خاموش ۔۔۔ پھر دوسرا نکتہ کہ اچھا مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھتے ہو یا نہیں؟ اور جب مسلمانوں کے قائد اعظم جب وفات پا گئے ، اور ان کے تو مرزائیوں اور ظفر اللہ پر بڑے احسانات تھے کہ ظفر اللہ کو وزیر خارجہ مقرر کیا۔ اور یہ جو پھیلے تو ہم مسلمانوں کے ہاتھوں پھیلے کہ وزارت خارجہ کے ذریعہ سفارت خانے قادیانیوں سے بھر دئے گئے۔ جتنا خرچ ہوتا رہا اس کی کوئی پوچھ گچھ نہ تھی، کتنا بڑا احسان تھا قائد اعظم کا مگر جب ان کا انتقال ہوا تو ظفر اللہ نے اتنے بڑے محسن پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ کیونکہ ان کا جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھایا اور شاید قائد اعظم کی وصیت بھی تھی کہ میرا جنازہ شیخ الاسلام پڑھیں گے۔ الغرض ان کی اقتداء میں نماز جنازہ نہ پڑھنا اگر عذر تھا تو ہمارے وکیل نے کہا کہ اچھا اس ملک میں تو قائد اعظم کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی گئی وکیل نے کہا کہ میں ان دنوں لندن میں تھا۔ وہاں بھی مسلمانوں کے اکثر فرقے جمع ہوئے اور قائد اعظم کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو کیا کسی غائبانہ نماز جنازہ میں کوئی قادیانی شریک ہوا تھا۔؟

کہا مجھے نہیں معلوم۔ وکیل نے کہا کہ ہر جگہ تو مولانا شبیر احمد عثمانی نہیں تھے۔ بلکہ وجہ خود ظفر اللہ نے بیان کر دی تھی کہ میں اپنے آپ کو کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھتا ہوں یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم۔ یعنی ملازم پر یہ تو ضروری نہیں کہ جنازے بھی پڑھے

الغرض مرزائیوں کا ہمیں غیر مسلم سمجھنے کے ہزاروں شواہد اور دلائل موجود ہیں۔ اور ان کی کتابیں ایسی تحریروں سے بھری ہیں۔

مرزا نے انگریز کی مدح سرائی میں کہا میں نے پچاس الماریاں اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین پر لکھی ہیں۔ انگریز لفٹیننٹ گورنر کو لکھتا ہے۔ کہ میں تو انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں۔ اب اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری بھی کرو گے۔ اور مجھ پر میری جماعت پر خصوصی عنایت بھی

کرتا ہو گی۔ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں مستقل کتاب لکھی، تحفۂ قیصریہ کے نام سے اُسے منسوب کیا۔ الغرض انسان حیران رہ جاتا ہے اس کی خوشامد اور جی حضوری کو دیکھ کر۔ ہم تو اسمبلی میں دو چار مولوی ہیں۔ انگریزی خوان طبقہ بھی جو اسمبلی کے ارکان کا تھا وہ بھی انگریز کی اتنی حمد و ثنا سن کر حیرت میں پڑ گیا۔ اور کہا کہ نبی تو کیا ایسا شخص تو کوئی شریف انسان بھی نہیں کہلا سکتا نبی ہونا تو بڑی بات ہے اتنی لجاجت اتنی چاپلوسی کا تصوّر تو ہم انگریزی خوانوں سے بھی نہیں ہو سکتا ملکہ وکٹوریہ کو دام اقبالہا کہنا۔ اور یہ کہ تیرا یہ تخت اقبال ہمیشہ باقی رہے۔ تو ظل اللہ ہے۔ اور وہ مسلمان ملعون ہے بدقسمت ہے جو تیری حکومت کے خلاف خیال کو بھی دل میں جگہ دے۔ تو اتنی چاپلوسی تو کوئی بھنگی بھی نہیں کر سکتا۔ پھر ایک کافر حکومت کی، انگریز کی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جب انگریز نے اس ملک میں آکر قدم جمایا تو اس وقت انگریز کے خلاف شاہ عبدالعزیز اور مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ نے جہاد کا فتویٰ دیا، جہاد کی تحریک اٹھی سینکڑوں مسلمان پھانسی ہوئے اور جہاد کا نعرہ بلند ہوا تو مسلمان جہاد کے لئے جان و مال قربان کرنے پہ تیار ہوتا ہے۔ انگریز کو اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کو غلام رکھنے کا علاج سوائے اس کے نہیں کہ ان کے دلوں سے جہاد کا جذبہ نکال دیا جائے۔ اور علاج یہی ہے کہ ایک فرضی نبی کھڑا کر دیا جائے اور وہ جہاد کو حرام قرار دے، یہی تو وہ خود کاشتہ پودا ہوتا تھا جس کا اقرار مرزا نے اپنی تحریروں میں کیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بھی میرے والد نے ۵۰ سوار گھوڑوں سمیت انگریز کو پیش کئے۔

بہرحال مرزائی ہم مسلمانوں کو ۹۰ سال سے کافر کہتے تھے اور جب یہی چیز اسمبلی میں پیش ہوئی تو اپنی مطلب برآری کے لئے انکار کرنے لگتے تو جب وہ عبارتیں پیش ہوئیں کہ تم نے تو نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج اور کافر اور پکا کافر کہا ہے۔ تو کہا کافر تو ہیں مگر ملّت میں داخل ہیں اور ملّت کے تین دائرے ہیں، ایک اسلام ایک اسلام سے نیچے اور ایک تیسرا درجہ ہے۔ رانا حنیف صاحب مرکزی وزیر ہیں اسمبلی سے باہر ملے بیمار تھے پڑے ہوئے تھے میں نے کہا وزیر صاحب کیا حال ہے؟ ہنس کر مذاقاً کہا کہ مولانا تیسرے دائرے میں ابھی پھر رہا ہوں۔ پتہ نہیں اس سے بھی کب نکالتے ہیں۔

مرزا ناصر سے کہا گیا کہ مسلمانوں کے معصوم بچّوں پہ جنازہ کا کیا حکم ہے۔ آپ کے بڑوں نے تو کہا تھا کہ بالکل ناجائز ہے۔ اور جس طرح تم ہندو سکھ عیسائی بچوں پر جنازہ نہیں پڑھ سکتے اسی طرح غیر مرزائی مسلمان بچوں کا حکم ہے۔ اس لئے کہ کافر کا بچہ کافر کا تابع ہے۔ مسلمان کافر تو اس کا بچہ بھی کافر ہوگا ______۔

نکاح کے بارہ میں کہا کہ کیا کوئی مسلمان عورت فرنگی یا ہندو یا سکھ سے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر نہیں تو کسی مرزائی عورت کا بھی مسلمان مرد سے نکاح جائز نہیں البتہ مرزائی مسلمانوں کی لڑکیاں اپنے عقد میں لے سکتے ہیں جیسے کہ اہل کتاب کی ــــ یہ تھا نکاح کے بارہ میں ان کا عقیدہ۔

الغرض بھائیو! اسمبلی میں جرح کے لئے سینکڑوں سوالات داخل کئے گئے جن میں چند کا انتخاب ہوا اور جرح اور بحث کا محور زیادہ تر دو چار اصولی باتیں رہیں۔ الحمدللہ آئین میں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر پہلے سے موجود تھا۔ صدر اور وزیر اعظم کے حلف کی عبارت میں تو ختم نبوت کا جھگڑا تو طے شدہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہوگا جو حضور کو آخری نبی مانتا ہو۔ کمیٹی کی بحث میں یہ طے کرانا تھا کہ کیا مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں اور کیا اس کے پیرو اس کو نبی مانتے ہیں یا نہیں اور کیا ان کے نزدیک ان کے نہ ماننے والے غیر مرزائی مسلمان ہیں یا کافر؟ تو ربوہ والوں نے بھی اور لاہوریوں نے بھی یہ سب چیزیں مانی ہیں۔ اور اقرار کیا کہ وہ الگ امت اور گروہ ہیں۔ اور لاہوریوں کا جھگڑا تو محض خلافت اور گدی نشینی کا تھا، مگر مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے مسلمانوں کو مسلمان کہنے لگے۔ جرح کے دوران لاہوریوں نے بھی اقرار کیا کہ تم مسلمان حقیقی مسلمان تو نہیں ہو، البتہ مجازی مسلمان ہو۔ اور جب مرزائیوں سے اس دورنگی کردار کے بارہ میں پوچھا گیا۔ کہ مسلمانوں کو کافر بھی سمجھتے ہو اور ان کے لئے مسلمان کا نام بھی استعمال کرتے ہو۔ تو جواب دیا کہ حقیقی مسلمان تو نہیں البتہ دنیا میں ایک قوم مسلمان کے نام سے معروف ہے۔ اس لئے ہم بھی عرفاً انہیں مسلمان مسلمان کہتے ہیں۔ یہود وہ قوم تھی جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ان کا انکار کرنے کے بعد کافر ہو گئے مگر معروف اب تک یہودی نام سے ہیں۔ عیسائی حضور نبی کریم کی آمد کے بعد انکار کرنے سے کافر ہو گئے۔ عیسائی نہ رہے مگر کہلاتے اب بھی عیسائی ہیں۔ اور جس طرح عبداللہ نامی شخص اللہ کی سرکشی اور نافرمانی کے باوجود عبداللہ کہلاتا ہے۔ حقیقی نہیں صرف نام کی شہرت کی وجہ سے۔ اسی طرح ہم نے بھی کہیں کہیں مسلمانوں کو مسلمان کہا ہوگا۔

لاہوریوں نے حدیث نبوی "سینزل نبی اللہ عیسیٰ بن مریم" کے ضمن میں اعتراف کیا کہ مرزا نبی تھا۔ الغرض جب نوے سال سے وہ خود ہمیں کافر کہتے رہے سمجھتے رہے اور اپنے آپ کو الگ امت اور گروہ مگر انہیں اپنے نہ ماننے والے ان کافروں میں شرکت پر اصرار محض مفادات حاصل کرنے اور درپردہ مار آستین بنے رہنے کے لئے ہے۔ اس برصغیر میں ہندو مسلم سکھ عیسائی تھے۔ مگر ہندو زیادہ تھے، مسلمان کم تو اقلیت کو نقصان ہوتا ہے۔

اب مرزائیوں نے یہ چاہا کہ شامل تو مسلمانوں میں رہیں اور اسی نام سے سارے اختیارات اور

حقوق پر قابض ہوں اور کارروائی ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسی ہو۔ حالانکہ کسی مسلمان کی غیرت برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ ہندو سکھ یا عیسائی اکثریت میں محسوب رہے ہیں۔ اور یہ مرزائی طبقہ اتنا بے غیرت کہ ہم مسلمان تو ان کے نزدیک ہندو سکھ سے بھی بڑھ کر کافر مگر ان کا دل "میں شرکت پر ہمیشہ اصرار رہا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا ہو جانے سے مفادات پر ضرب پڑے گی اور سازشیں نہیں کر سکیں گے۔

تقسیم ہند کے وقت تحصیل گورداسپور ان کی وجہ سے بھارت میں شامل ہوئی کہ انہوں نے مردم شماری میں اپنے آپ کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا۔ اس وقت اپنے آپ کو غیر مسلموں میں شمار کر کے مسلم آبادی کی تعداد کم کرادی گئی۔ یہ بات بھی اسمبلی میں ثابت کرادی گئی اور یہی چیز کشمیر کے ہاتھ سے جانے کا بھی پیش خیمہ بنی۔

اسرائیل سارے عالم اسلام کا دشمن ہے۔ سارے مسلمانوں کے تعلقات اس سے نہیں، مگر مرزائی ہیں کہ ان کے مشن وہاں قائم ہیں۔ یہ مسلمانوں میں گھل مل کر اور ان کے اعتماد اور بھروسہ سے غلط فائدہ اٹھا کر سارے راز ایسے مشنوں کے ذریعہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ تو یہ لوگ مذہبی طور پر تو تھے ہی دشمن اسلام مگر سیاسی طور پر بھی پاکستان اور عالم اسلام کی جڑیں کاٹتے رہے۔ اللہ نے فضل کیا کہ ربوہ اسٹیشن کا سانحہ ظاہر ہوا ورنہ اس سال یا بہت جلد ان کے ہاتھوں ملک انقلاب اور خانہ جنگی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ خداوند تعالیٰ کو اس ملک کی اس حکومت کی اس قوم کی مدد کرنی تھی، ورنہ یہ تو پاکستان کی سیاست پر افواج پر پاکستان کی اقتصادیات پر کلیدی عہدوں پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اور مذہبی طور پر تو پہلے ہی روز سے تھے ہی غیر مسلم اور کافر، مگر اسمبلی نے بھی متفقہ طور پر آئین میں اس حیثیت کو شامل کرا لیا۔ اسمبلی میں انگریزی خوانوں کی اکثریت تھی۔ تو یہ صرف علماء کا فیصلہ نہیں۔ نئی دنیا تو منبر و محراب سے اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ پارلیمنٹوں اور اسمبلیوں سے۔ اور الحمدللہ کہ وہاں اسمبلی میں تمام ارکان نے ہر پارٹی کے ارکان نے سب نے سو فیصد متفق ہو کر فیصلہ دیدیا۔ سب ارکان مسئلہ کی گہرائیوں اور حقیقت کو سمجھ گئے ــــ طالب العلموں کی طرح بحث و مباحثہ کا دور دورہ رہا تو یقین و بصیرت کے ساتھ اور بڑی مسرتوں کیساتھ سب کے سب ارکان نے آئین میں ترمیم کرلی کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص نے جس نوع سے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور جو اس پر ایمان لایا یا اسے مذہبی مصلح سمجھا وہ غیر مسلم ہوگا۔ اور مرزائی قادیانی لاہوری جو احمدی کہلاتے ہیں، غیر مسلم اقلیت ہیں اب قیامت تک اس ملک میں انشاء اللہ کوئی جھوٹا دعویٰ نبوت نہیں کر سکے گا۔ اور جہاں اقلیتوں کے تحفظ کا مسئلہ ہے ہمارے ہاں، ہندو سکھ عیسائی سب ہیں مگر مسلمان ان سب کا تحفظ کرتے ہیں۔ قوانین موجود ہیں، اسلام کی تعلیمات

ہیں ہم ان کا بھی تحفظ کریں گے۔ مسلمان دیہات میں ہندو سکھ عیسائی سے بھی سودا سلف خریدتے ہیں۔
مگر وہ انہیں غیر مسلم جانتے ہیں۔ یہ خطرہ نہیں کہ مذہبی طور پر دھوکہ ہو سکے۔ اور مار آستین بن جاتے۔ مگر
اب ساری دنیا پر قادیانیوں کی حقیقت آشکارا ہو جانے کے بعد یہ خطرہ کم ہوگا کہ یہ سانپ ڈس لے گا
تو یہ پروردگار کا بڑے سے بڑا کرم اور انعام ہے کہ قوم کا ملک کا دین کا تحفظ ہو گیا۔ ہمارے دیگر مطالبات
بھی اصولاً وزیر اعظم نے مان لئے ہیں۔ کلیدی عہدوں پر ان کو فائز رکھنا اپنے آپ سے دشمنی کرنا ہے۔
اب ہمارے سارے راز فاش کرنے اور ہر طرح دشمنی کرنے سے لوگ کوئی دریغ نہیں کریں گے۔ نہ بھٹو
سے نہ قوم سے بھلائی کریں گے۔ ضرورت ہے کہ انہیں جلد از جلد ہٹا دیا جائے۔

پاکستان کے اندر ربوہ کے نام سے دوسری ریاست ختم کر دی جائے اسے مفتوح کر لیا جائے۔

— تو اللہ کے کرم سے اللہ نے دین کی حفاظت فرمائی کالج کے لڑکے بلاوجہ ظلم کا نشانہ بنے ساری قوم
اٹھی، ملازم، تجار، علماء، عوام طلبہ سب نے جرأت ایمانی کا ثبوت دیا۔ ساری قوم اٹھی تین دن مرکزی قیادت
نہ تھی تو کچھ گڑبڑ ہوئی۔ پھر مجلس عمل کی تشکیل ہوگئی ساری جماعتیں اس میں شامل ہوگئیں سب نے حلف اٹھایا
تھا کہ اس مسئلہ میں سیاست بازی نہ ہوگی۔ وہ حضور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور اسلام کی
خاطر اس تحریک کو چلائیں گے۔ بہت بڑے دو چار افسروں نے مجھے لاہور میں ایک میٹنگ کے بعد کہا
کہ کیا کرنا ہے۔ ہم صرف ۷ ستمبر تک منتظر رہیں گے۔ میں نے پوچھا پھر کیا کرو گے۔؟ کہا پھر آپ سب کو
اور ساری دنیا کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اسلام آباد کے تمام ملازموں نے ایمان و عزیمت
کے عجیب مظاہرے کئے۔ اللہ نے ساری قوم کو متفق کر دیا۔ مجلس عمل نے تدبر سے کام لیکر مسلمانوں کی
قیادت سنبھالی۔ پھر اسمبلی میں حزب اختلاف کے علماء اور جماعتوں نے مجلس عمل کی رہنمائی میں کام کیا۔ پھر پوری
قومی اسمبلی کیا حزب اقتدار اور کیا حزب اختلاف اس جہاد میں شریک ہوگئی اور حق کو فتح نصیب ہوئی۔ اور
اتنی آسانی اور اللہ کے کرم سے فتح ہوئی کہ ہم سے تو حضورؐ نبی کریم کا حق ادا نہ ہو سکا، مسیلمہ کذاب کے
مقابلہ میں ہزاروں صحابہؓ نے جان کی قربانی دی، ۲۸ ہزار کافر اور مرتد تہ تیغ کئے گئے اور یہ محض اللہ کا
فضل و کرم کہ چند مسلمان شہید ہوئے، ساری قوم کو ذرا سی محنت اٹھانی پڑی اور فتح عظیم حاصل ہو گئی۔
اگر اس راہ میں پوری مسلمان قوم شہید ہو جاتی اور ناموس ختم نبوت محفوظ ہو جاتی۔ تو پھر بھی بہت بڑی فتح ہوتی۔
اب ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس ملک کو اس قوم کو اس مسئلہ کی بدولت اپنے فضل و کرم سے مالا مال
کر دے گا۔ اس مسئلہ کا کریڈٹ کل قوم کو ساری اسمبلی کو پہنچتا ہے۔ ہم علماء کا تو کام ہی یہی ہے۔ موضوع ہی
توحید و رسالت ہے مگر تعاون بحث و تحقیق کے سلسلہ میں ہر رکن اسمبلی ایک دوسرے سے سبقت کرتا

باقی صفحہ ۱۲ پر

تبرکات ونوادر

غیر مطبوعہ وعظ

از عارف باللہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ

خیر المدارس۔ ملتان

مرتبہ:۔ مولانا محمود احمد صاحب۔ یزمان ضلع بہاولپور

رمضان کے فضائل

اور اس کے

آداب وحقوق

خطبہ مسنونہ کے بعد:۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک مہینہ ہم کو عطا فرمایا ہے۔ اس واسطے سب مسلمانوں پر اس کا شکریہ واجب ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جن کی زندگی میں مہینہ رمضان المبارک کا آئے اور وہ اس کے آداب اور حقوق ادا کرے جو اس کے حقوق ادا کرے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ شاید دوسرا مہینہ آئے یا نہ آئے۔ اس واسطے اسکی جتنی قدر ہو سکے، بہت قدر کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کا رمضان نام رکھا ہے۔ رمضان مشتق ہے رمض سے اور رمض کے معنیٰ ہیں جلا دینے کے گویا یہ مہینہ مسلمانوں کے تمام گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اور یہ مہینہ اس واسطے مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے کہ انسان مختلف کام کرتا رہتا ہے۔ ساتھ ہی کچھ ناجائز اور بُرے کام بھی ہو جاتے ہیں۔ تو جو بُرے کام اور گناہ ہوتے ہیں اس سے دل پر سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو گناہ نہ چھوڑے تو اس کو اتنے نقطے لگتے ہیں کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ سارا دل کالا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اس نقطے کو توبہ سے دھو لو۔ پھر مرتے وقت اسکو توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کے لئے یہ مہینہ مقرر کیا۔

اس میں دوزخ کے دروازے سب بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور بہشتوں کے سب کھولے جاتے ہیں۔ سرکش بڑے بڑے شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں۔ اور لوگوں میں اللہ کی طرف سے فرشتے ندا کرتے ہیں۔ سارے گلی کوچے ہر دروازہ اور مکان پر یَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ (اے خیر کے طلب کرنیوالے تو متوجہ ہو جا) یَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ۔ (اے برائی کے طلب کرنیوالے تو رک جا) اللہ کے بندے جن

کے دل صاف ہیں وہ اس کو سنتے ہیں۔ اور رات کو جاگتے ہیں۔ بلکہ فرشتے ایک طائفہ ہے۔ وہ گلیوں میں کھڑا ہوتا ہے، وہ سفارش کرتے ہیں کہ اللہ جو اس وقت جاگتے ہیں تو ان کو بخش دینا وہ سفارش کرتے ہیں تو یہ سیاہی کو دھونے کیلئے جو گیارہ مہینوں میں لگتی ہے۔ تو گیارہ مہینوں کے بعد یہ ایک مہینہ توبہ کیلئے ہے۔ اس مہینے میں اجر و ثواب کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ نفلوں کا ثواب باقی مہینوں کے فرض کے برابر اور اس مہینے کے فرض باقی مہینوں کے ستر فرض کے برابر ہیں۔ اس واسطے انسان کو چاہیئے کہ اس میں غفلت نہ کرے۔ اس میں جتنی نیکی ہو سکے نیکی کرے، اس واسطے اس کو رمضان کہتے ہیں۔

رمضان اتنا مبارک ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی اپنی طرف نسبت کی ہے۔ شَہْرُ اللّٰہِ معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کو بڑی خصوصیت ہے۔ جیسے کہتے ہیں یہ چیز بھائی سرکاری ہے۔ یہ وردی سرکاری ہے۔ اس کی عظمت ہوتی ہے۔

تین عشرے ہیں اس مہینے میں اَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَّاَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَّاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ (اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے۔ اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ مرتب۔) پہلے دھاکے میں اللہ کی رحمت برستی ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی۔ جو آدمی روزہ کا حق ادا کرے کھیتی والے کھیتی کریں نوکری والے نوکری کرتے ہیں۔ ان کا ہر کلام عبادت ہو جاتا ہے۔ اس واسطے انسان کو چاہیئے کہ روزہ کے حقوق ادا کرے۔ روزہ کے حقوق یہ ہیں:- ۱۔ زبان کی حفاظت کرے۔ ۲۔ ہاتھ کو محفوظ رکھے، چوری نہ کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۳۔ پیروں سے ناجائز کاموں کیطرف نہ چلے، سینما، تماشا، فاجر، فاسق، فجار کی مجلس کیطرف چلنا گناہ ہے۔ چلے تو مسئلہ پوچھنے کیلئے علماء کے پاس جائے، والدین کی خدمت کرے۔ ۴۔ دل میں برے خیالات نہ لائے، کہیں عبادت کا فکر ہے، کہیں نماز کا فکر ہے۔ تو اس عشرہ میں بارش کی طرح اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اب بارش کے قطرے نہیں شمار کر سکتے۔ اسی طرح سے چاروں طرف سے اللہ کی رحمت برستی ہے۔

دوسرا عشرہ جو ہے اس کا نام ہے عشرۂ مغفرت، جو گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں۔ بیسویں دن سب معاف ہو جاتے۔ البتہ حقوق العباد نہیں معاف ہوتے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس آدمی کے سامنے جاکر معافی مانگے کہ میں نے تیرا فلاں نقصان کیا ہے تو معاف کردے۔ اگر معاف نہ کرے تو رقم ادا کردے۔ نماز رہی ہوئی ہے تو اسکو قضا کرے اور روزے رہے ہوئے ہیں تو ان کو بھی قضا کرے۔ باقی جو گناہ کر لیتے ہیں۔ بد نظری برائی کر لی ہے۔ اس کا بدلہ یہ ہے توبہ کرے

تنہائی میں روئے معاف ہو جائیں گے۔ ہاتھ اٹھائے وہ خالی نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے بندے! جس وقت تو ہاتھ اٹھاتا ہے تیرے اتنے گناہ ہیں جن سے آسمان اور زمین کے درمیان جو پول ہے اتنے گناہ ہیں، تو میں اسکو بھی معاف کر دیتا ہوں، مجھے شرم آتی ہے ہاتھ واپس کرتے ہوئے۔

وَاٰخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ۔ (اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے) جو گناہگار ہوتے ہیں وہ رمضان کی برکت سے معافی ہو جاتے ہیں اور دوزخ سے رہائی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ مستحق جنت ہو جاتے ہیں۔ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ کیا ہے۔؟ جو کھاتا پیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ دنیا کے جتنے کام ہیں سب کو عبادت میں داخل کرتا ہے۔ بلکہ ایک مسئلہ ہے کہ رات کو پیٹ بھر کے کھالیتا ہے تو اللہ کے نزدیک نہ کھانے میں شمار ہے تو یہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ فرشتے اور اللہ کھانے پینے سے بری ہے۔ اس لئے کہ رات کو یہ اس واسطے کھاتا ہے۔ کہ دن کو نہیں کھاؤں گا۔ تو یہ کھانا نہ کھانے کے برابر ہے۔ جیسا کہ دیکھو آپؐ ۶ھ میں ایک پہلا عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپؐ ڈیڑھ ہزار آدمی لے جاتے ہیں۔ آگے کفار کا لشکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آپکو آگے نہیں آنے دیتے کفار نے کہا اپنے غرور میں۔ ہوتے ہوتے۔ قصہ لمبا ہے۔ پھر صلح ہو گئی۔ آخر بہت گرا ہوا فیصلہ ہوا کہ آپؐ اس دفعہ مدینے واپس جائیں۔ اور آئندہ سال بھی صرف تین دن کے لئے آئیں اور فوراً واپس چلے جائیں اور دوسری شرائط بھی لگائیں، صلح تمام ہو گئی۔ اور پھر آپؐ واپس ہو گئے راستہ میں آیت نازل ہوئی۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ بیشک ہم نے آپکو ایک کھلم کھلا فتح دی۔ حالانکہ یہ فتح دو سال بعد میں ہوئی، مکہ ۸ھ میں فتح ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا نام فتح رکھا ہے۔ اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت یہ کی تھی، صلح اس واسطے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس سے آگے فتح کرا دے گا۔ تو اسی طرح یہ کھانا نہ کھانے کی نیت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی نہ کھانا ہوا۔ اس واسطے مشابہ ہو جاتا ہے۔ تو بڑا ثواب ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے، وتصفد فیہ مردۃ الشیاطین۔ (حدیث میں آتا ہے، اس مہینے میں سرکش شیاطین قید کر لئے جاتے ہیں۔ مرتب) تو اس کے باوجود لوگ برائی زنا بدکاری چوری کیوں کرتے ہیں۔؟ علماء نے جواب دیا ہے، اور بڑا سچا جواب دیا ہے۔ کہ لفظ ہے مَرَدَۃٌ کا۔ مَرَدَۃٌ کہتے ہیں سرکش شیاطین کو تو وہ تو قید کر لئے جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ وسوسے ڈالتے ہیں۔ اور برے خیالات ڈالتے ہیں تو یہ گناہ ان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ (دوسرا جواب) شاہ اسحٰق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گناہ دو وجہ سے ہوتے ہیں، ایک

شیاطین کی وجہ سے۔ یہ لاحول سے بھاگ جاتا ہے، اذان سے بھاگتا ہے۔ اقامت سے بھاگتا ہے۔ شیطان بڑا دشمن ہونے کے ساتھ کمزور بھی بڑا ہے۔ دوسری چیز ہے نفس، یہ ہر وقت انسان کو رغبت دیتا ہے برائی کی، یہ نفس ہر وقت موجود رہتا ہے، لاحول وغیرہ سے بھاگتا نہیں۔ تو اسکی وجہ سے گناہ ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا دین یہ ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے تاکہ لوگ نیکی کریں اور دوزخ سے بچیں۔ جب ہم روزہ کھولتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ سات لاکھ گنہگاروں کو معاف کرتے ہیں۔ روزے داروں کے روزہ کھولنے کی خوشی میں۔ اور جمعہ کے دن اتنے لوگوں کو معاف کرتے ہیں جتنے ہفتہ میں سارے معاف ہوئے تھے۔ اور انتیسویں یا تیسویں دن اتنے لوگوں کو بخشتے ہیں جتنے ہر ہر دن اور ہر ہر جمعہ میں۔ جیسا کہ یہاں بھی نظام یہی ہے۔ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ جب کوئی بادشاہ جاتا ہے تو بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیتا ہے۔ اس آخری دن میں رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ اور رضوان من اللہ اکبر۔

تنوین تقلیلی ہے تھوڑی سی رضامندی بھی اللہ کی بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جوتے میں بھی جگہ مل جائے تو بہت بڑی دولت ہے۔ آتا ہے کہ جسکو سب سے آخر میں معاف کریں گے وہ علماء انبیاء کی سفارش سے معاف کریں گے۔ اللہ پوچھیں گے اور تو کوئی نہیں رہتا انبیاء علماء کہیں گے کہ نہیں اور کوئی نہیں رہا، اللہ کہیں گے میری نظر میں اور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھریں گے۔ بندوں کی طرح مٹھی مت سمجھو، اور ہزاروں گنہگاروں کو نکال دیں گے۔

نوٹ:۔ (از احقر جامع غفرلہ اس سے آگے بندہ نے اشارے کے طور پہ اپنی کاپی میں قوسین میں (الی آخر الحدیث) لکھ لیا تھا۔ مکمل وعظ حضرت کی تعبیر کے ساتھ لکھی نہ جاسکی تھی۔ تاہم اس کے بعض اجزاء نقل کر لیئے تھے جو یہ ہیں۔ مرتب)

مانگ تو اپنے منہ سے جو مانگتا ہے۔ غرضیکہ اتنا مانگے گا عطا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تجھے دس گنا زیادہ دیدیا۔ یہ احسان ہوگا۔ نہایت چھوٹے درجے کے جنتی پہ۔ اور بڑے جنتیوں کا تو کیا کہنا جب پلصراط سے گذریں گے تو پلصراط پہ پولیس ہوگی ایک پولیس ٹکٹ کلے کا دیکھے گی، ٹکٹ ہوگا تو آگے جائے گا۔ ورنہ وہیں کٹ کر گر جائیگا۔ دوسری پولیس نماز کا ٹکٹ دیکھے گی، سب چیزیں دیکھیں گے۔ کامل مؤمن ہوا کیطرح سے وہاں سے گذریں گے تو کہیگا کہ پلصراط تو دیکھ لیں یہ کیا ہے۔ وہ مومن پلصراط کو دیکھنے کیلئے کھڑا ہو جائیگا دوزخ پکار اٹھے گی اسکو زبان ہوگی جُزْ یَا مُؤْمِنْ فَاِنَّ نُوْرَکَ یُطْفِئُ نَارِیْ۔ اے مومن جلدی یہاں سے چلا جا، کھڑا نہ ہو کیونکہ تیرا نور میری نار کو بجھا رہا ہے —— دعا کرو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمادے۔ آمین۔

■■

موت اور اس کی یاد

افادات: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
مرسلہ: جناب محمد اقبال صاحب قریشی ہارون آبادی

موت سے نہ ڈریئے | موت سے کسی کو مفر نہیں، کیونکہ ارشاد ربانی ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ. یعنی ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ نیز ارشاد ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمٰن آیت ۲۶، ۲۷) "جتنے روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے۔ اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔"

گویا جسکو زندگی عطا ہوئی اس کو موت بھی ضرور آنی ہے ؎

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے

اس لئے انسان خواہ جتنی بھی ترقی کر جائے لیکن موت سے بچ کر کہیں چھپ نہیں سکتا۔ ارشادِ ربانی ہے: أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ. (النساء آیت ۷۸)۔ تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو آ جاوے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس آیت کا کیا خوب ترجمہ کیا ہے ؎

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانہ میں موت — بحر و بر میں، دشت میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانہ میں موت

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں — ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں

مقام افسوس ہے کہ پھر بھی لوگ موت سے ڈرتے ہیں جس سے کہیں مفر نہیں۔ اس لئے موت کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بقول شیخ سعدیؒ ؎

گر وزیر از خدا بترسیدے — ہمچناں کز ملک ملک بودے

موت مؤمن کیلئے تحفہ ہے | حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ (اخرجہ ابن المبارک وابن ابی الدرداؓ والحاکم) کہ تحفہ (مرغوبہ دل پسند) مؤمن کا موت ہے۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ۔ کہ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے (بندہ کو حق تعالیٰ سے) ملا دیتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو ملک الموت ان کے پاس آئے تاکہ ان کی روح قبض کریں۔ تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یَا مَلَکَ الْمَوْتِ هَلْ رَاَیْتَ خَلِیْلًا یَقْبِضُ رُوْحَ خَلِیْلِهٖ۔ کہ اے ملک الموت کیا تو نے کسی دوست کو دیکھا جو اپنے دوست کی روح کو قبض کرے۔ اس پر ملک الموت جناب باری میں حاضر ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ ان سے کہو هَلْ رَاَیْتَ خَلِیْلًا یَکْرَهُ لِقَاءَ خَلِیْلِهٖ۔ کہ کیا تو نے کسی دوست کو دیکھا ہے کہ اپنے دوست سے ملنا ناپسند کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ بس تو میری روح ابھی قبض کرے۔ (شرح الصدور)

نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ کَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ کَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی لقاء سے کراہت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسکی لقاء سے کراہ فرماتے ہیں اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّنَا یَکْرَهُ الْمَوْتَ۔ یعنی ہم میں ہر شخص موت کو مکروہ سمجھتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی لقاء تو موت کے بعد ہوگی اور موت سے طبعاً ہر شخص کو کراہت ہے۔ تو مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ۔ کا مصداق کون ہوگا۔ اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون دے سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ محبت لقاء کراہت لقاء زمانہ حیات کی نہیں بلکہ عین نوبت موت کی محبت وکراہت مراد ہے۔ سو مومن موت کے وقت لقاء اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کو فرشتے بشارتیں سناتے اور تسلی دیتے ہیں اور جنت کی نعمتیں اور راحتیں دکھلاتے ہیں۔ (خیر الحیات وخیر الممات ص۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ طبعاً زندگی ہر ایک کو عزیز ہے۔ جیسا کہ مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ مستی کی ماں مستی کے بیمار ہونے پر دعا کرتی تھی کہ میں مر جاؤں اور مستی اچھی ہو جائے، لیکن ایک دن اتفاق سے ایک اگلے جس کا منہ ہانڈی میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کے گھر آئی تو اسے موت سمجھ کر کہنے لگی ؎

گفت اے موت من نہ مستیم
پیر زال غریب محنتیم

یعنی اسے موت مستی میں نہیں ہوں وہ تو تیرے سامنے پلنگ پر پڑی ہے میں تو غریب محنتی بڑھیا ہوں۔
(خیر الحیات وخیر الممات ص۱۶)

موت کو یاد رکھنے کے فائدے | حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ (ترمذی ونسائی وابن ماجہ) یعنی لذتوں کو قطع کرنے والی یعنی موت کو بہت یاد رکھو۔ — اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی گہری بات فرمائی کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے یا دنیا کے مال وجاہ میں منہمک ہوتا ہے تو مقصود اور غایت سب کا تحصیل لذت ہے اور جب یہ یاد کریگا کہ یہ سب ایک دن ختم ہو جائے گا۔ اور اس کا تصور ہوگا تو مزہ ہی نہ آئے گا اور جب مزہ نہ آئے گا تو گناہ بھی چھوٹ جائے گا۔ کیونکہ گناہ بوجہ لذت کے نہیں چھوٹتے اور موت سے لذات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے موت کے ذکر، یاد اور تصور سے گناہ چھوٹ جائیں گے۔ (ذکر الموت ص۱۳)

اسی لئے دوسری حدیث پاک میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اَکْثِرُوْا ذِکْرَ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ یُمَحِّصُ الذُّنُوْبَ وَیُزَھِّدُ فِی الدُّنْیَا (اخرجہ ابن ابی الدنیا، شرح الصدور) یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ وہ گناہوں سے صاف کرتی ہے۔ اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے۔ نیز بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو موت سے غافل دیکھتے تھے تو تشریف لاتے — اور موت کی یاد دلاتے تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ غفلت کا اصل سبب موت کو بھلا دینا ہے۔ اور اکثر امراض کا سبب غفلت ہے تو جب غفلت دور ہو جائے گی تو نافرمانی اور عصیاں بھی دور ہو جائیں گے جو کہ غفلت کا سبب ہیں۔ (شوق اللقاء ص۳)

موت کے ذکر میں کوئی مشقت نہیں | جب موت کو یاد کرنے سے اتنے منافع ہیں تو ضرور یاد کرنا چاہئے۔ نیز اس عمل میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ نہ آمدنی میں خلل پڑتا ہے نہ کام میں حرج ہوتا ہے۔ نہ بہت سے نوافل یا وظائف پڑھنے پڑتے ہیں۔ (ذکر الموت ص۳)

اس لئے موت کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہئے، ہاں اگر موت کے مراقبہ سے کسی کا جی گھبرائے تو خدا تعالیٰ کی رحمت[1] کو یاد کرے اور سوچا کرے کہ اس کو اپنے بندوں سے اتنی محبت ہے کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے محبت نہیں تو اس کے پاس جانے سے کیا وحشت ہے۔ (متاع الدنیا ص۱۵)

---

[1] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امید پر گناہ کرے بلکہ "اگر عذاب کی خبریں یاد آویں تو خیال کرے کہ اس سے بچنا تو مشکل ہے ایسے کاموں سے بچا رہوں جن پر عذاب ہوتا ہے تو عذاب کیوں ہوگا۔" (شوق وطن ص۲۳)

موت کی یاد کیلئے ایک ناصح کا قطعہ | عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے کیا خوب تحریر فرمایا ہے ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — خوب ملک طوس ہے اور سرزمین روس ہے
گر میسر ہو تو عشرت سے کیجئے زندگی — اس طرف آواز بلبل اُدھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہے مئے گلگوں کا دور — شب ہوتی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشہ میں مجھے — چل دکھاؤں تو تو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنا ہر طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے — یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج — کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

موت کی یاد کس وقت تک مستحسن ہے | حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:
"کہ جب ذکر اللہ سے دل گھبرائے اس وقت موت کا ذکر ضروری ہے۔ اور اگر خود ذکر اللہ کی طرف دھیان ہو تو ذکر اللہ کو چھوڑ کر ذکر الموت نہیں کرنا چاہیئے۔"

مسلمانوں کے ذوقِ کتابداری پر چند تحریرات کا ایک تقابلی جائزہ

جناب احمد خان صاحب، اسسٹنٹ لائبریرین
ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
اسلام آباد

مسلمانوں کا ذوق کتاب سازی و کتابداری اہمیت کے لحاظ سے تو بہت اونچا موضوع ہے مگر قسمت کے اعتبار سے اتنا بلند نہیں ہے۔ مسلم علماء اور مستشرقین حضرات نے جہاں دیگر موضوعات پر بسط و تفصیل سے لکھا ہے۔ وہاں اس موضوع کو کماحقہٗ توجہ نہیں دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس کی چند وجوہات ہیں :

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے کتابیں نہ صرف لکھیں بلکہ جمع بھی کیں، لیکن کتب خانوں اور کتابداری کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ چنانچہ مواد کی قلت اور بعض گوشوں میں معلومات کے فقدان کے سبب اچھے اچھے محققین کا اس موضوع پر قلم اٹھانے میں پتا پانی ہوتا ہے۔

۲۔ اس میدان میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اس قدر غیر مبوّب ہے اور اسلامی ادب کے وسیع سمندر میں یوں بکھرا پڑا ہے۔ کہ اس کے نشان ہی مدہم پڑ گئے ہیں۔

۳۔ دستیاب مواد میں بعض چیزوں کی جو توصیف (DESCRIPTION) دی گئی ہے وہ ایک تو غیر مفاں ہے۔ دوسرے اس قدر متضاد ہے کہ پڑھنے والے کی کوئی رہنمائی کرنے کی بجائے اسے مزید حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ اس کی درست اور حقیقی صورت کیا تھی جس کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

ان دقتوں اور دشواریوں کے باوصف علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے چند کے سوا باقی سب نے اپنی تحریرات میں رطب و یابس بھر دیا ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ ایسا انٹ سنٹ اور غیر مستند لکھا ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد یہ معلومات دلچسپ بالا نظر آتی ہے۔ زبیر صاحب کی کتاب[۱] غیر مستند معلومات کا ملغوبہ ہے جس میں بغیر کسی ماخذ کے ایسی ایسی باتیں

---

[۱] اسلامی کتب خانے۔ مکتبۂ برہان دہلی، ۱۹۶۱ء
۵۴۳

لکھی گئی ہیں جن کا وجود غیر ممکن سا ہے۔ علاوہ بریں بعض مقالات کتب خانوں سے متعلق معلومات دینے کی بجائے ذہن کو عجیب و غریب مخمصے میں ڈال دیتے ہیں۔

(۱)

مسلمانوں کے ہاں کتب خانے کی ابتداء اس دن ہی پڑ گئی تھی جس دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھی۔ آپ نے اس وحی الٰہی کی آیات کو ضرورت اور حالات کیساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ پھر یہ آیات جمع ہو کر ایک ضخیم کتب خانہ یعنی "قرآن مجید" بن گیا جو بعد میں قائم ہونے والے کتب خانوں کی پہلی اینٹ اور مشعلِ راہ بنا۔ آنحضورؐ کے شیدائیوں نے آپؐ کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک موتی جمع کیا۔ بعد ازاں اس کے لئے کئی علوم و فنون پیدا ہوئے اور وہ بڑھتے بڑھتے کتب خانوں کا سرمایہ بنتے چلے گئے۔

ویسے تو موجودہ اصطلاح کے مطابق مسلمانوں میں سب سے پہلے خالد بن یزید اموی (متوفی ۸۵ھ) نے کتب خانہ قائم کیا تھا۔ یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ مسلمان علماء کے ہاں ذاتی استعمال کیلئے گھروں میں کتابیں موجود تھیں، عبداللہ بن عباسؓ کا گھر ایک مرکز تالیف (SCRIPTORIUM) تھا جس کے ہاں بیٹھ کر علماء حدیث نقل کرتے اور وہ نقول لے جا کر اپنے گھروں میں محفوظ کر لیتے۔ حصول علم کی خاطر لوگ بھاگ بھاگ کر اور دور دراز کے سفر طے کر کے محدثین سے علم حاصل کرنے لگے۔ پھر یہ ہوا کہ علم کے شیدائی اور "اطلبوا العلم" کے مخاطب اپنے ساتھ کتابوں کے اونٹ لے کر چلنے لگے اور اس طرح ان کتابوں سے دوسرے حضرات کو بھی فائدہ پہنچایا جانے لگا۔ بغداد، شام، مصر، تہران، قرطبہ، شاطبہ، اشبیلیہ اور مشرق میں رَی، نیشاپور۔ غرضیکہ ہر بڑا شہر کتابوں کا شہر بن گیا۔ مسلمانوں کی دلچسپی نے غیر اقوام کو بھی اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ بھی کتاب سے کماحقہٗ استفادہ کریں۔ دیکھتے دیکھتے یورپ نے خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولیں۔ قرطبہ کی نظیر پر یورپ میں کتب خانے قائم ہوئے جو بڑے چھوٹے اور آخر کار علم کی دیوی سرسوتی نے ہجرت کر کے یورپ میں رہائش اختیار کر لی اور مسلمان یہ کہہ کر ہاتھ ملتے رہ گئے ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

مسلمانوں کے ان کتب خانوں پر لکھے گئے چند مقالات کا ہم ایک تقابلی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ ان مقالات کا انتخاب کسی مقرر کردہ معیار کے تحت نہیں اور کاش ایسا ہوتا بلکہ صرف ان مقالات کی

دستیابی ہے۔ ان مقالات کی CITATION، ہم نکات اور تقابلی مطالعہ ہوگا۔ ان مقالات کو ہم نے ایک نگے بندھے انداز اور ترتیب سے رکھا ہے جس کا احساس آپ کو انہیں پڑھنے کے بعد ہو جائے گا۔

(۲)

یہ موضوع اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر فن کتابداری کے زیادہ سے زیادہ ماہرین قلم اٹھائیں۔ چنانچہ پاک و ہند کے معروف ماہر فن اور اس فن کی پاکستان میں تدریس کے بابا جناب مولوی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کے مقالے[۲] سے ہم ابتدا کر رہے ہیں۔

انگریزی میں تحریر کردہ اس مقالے میں جناب مولوی صاحب نے ابتدائے انسانیت سے لیکر آنحضورؐ کی آمد تک کے مشہور چند کتب خانوں کا مختصر سا خاکہ پیش کرنے کے بعد اس پہلو کو بالتفصیل بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں علم کی ترویج کیسے ہوئی۔ "اقرأ" کے حکم سے مسلمانوں نے کس قدر INSPIRATION لی۔ اس کے علاوہ حصول علم اور غور و تدبر کی جو آیات قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں۔ ان کا منشاء بیان کیا ہے۔ آنحضورؐ کیطرف سے پھوٹنے والے علم کی روشنی، حصول علم اور اس کے پھیلانے کے بارے میں "بلّغوا عنی ولو آیۃ" کی تشریح کی ہے۔ مسلمانوں کے مدرسہ اولیٰ، اصحاب صفّہ کے علاوہ جن جن حضرات نے آنحضورؐ سے احادیث لکھیں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ مقالہ نگار نے ایک غیر مسلم کے جو ریمارکس آنحضورؐ کے بارے میں دئے ہیں۔ دیکھئے کس قدر حقیقت نگاری ہے:

> "خود آنحضورؐ نے، جو فن تحریر سے نابلد تھے، کتاب سازی و کتابداری کی ایسی مہم چلائی جس نے نہ صرف علوم قدیم کے ڈوبتے ہوئے سفینہ کو بچایا بلکہ انہوں نے فلسفہ، سائنس، آرٹ اور فن تعمیر میں ایسی نئی روح پھونکی جس کے لئے آج تک دنیا ورطۂ حیرت میں ہے۔"

موصوف نے اپنے اس مقالے میں خلفائے راشدین کے زمانے میں علمی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ قرآن کی تدوین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے کارنامے گنائے ہیں۔ ان میں واقعات بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ یہودیوں سے ایک کتاب لائے جس کے بارے میں آنحضورؐ

---

a[۲] "Libraries and learning in the Muslim world."
Pakistan Library Review. Vol. 3, PP. 28-36 (March, 1961)

نے فرمایا کہ "عمرؓ! قرآن کے ہوتے ہوئے ان کتابوں کی حاجت نہیں رہتی"۔ مولوی صاحب کی یہ بات بڑی وقیع ہے کہ اس واقعہ سے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کتابوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہاں اس امر کی بھی تو گنجائش ہے۔ کہ ایسے ذاتی کتب خانے مسلمانوں کے ہاں بھی ہوں گے۔ مقالہ نگار نے اپنے حدود کار کو تدوین حدیث، ان کے مجموعے، آنحضورؐ کے معاہدات و مواثیق اور اموی دور میں نثری و شعری ادب کی تدوین تک بڑھایا ہے۔ مقالے کے آخری حصے میں بنو عباس کے عہد میں علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں وہ یہ بتانے سے نہیں چوکے کہ مسلمانوں نے کتب خانوں میں کیا کیا سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں اور کس کس قسم کے کتب خانے تھے۔ ان میں خصوصی کتب خانے، ہسپتالوں کے کتب خانے اور سفری کتب خانوں کا بھی مختصر سا ذکر کیا ہے۔

(۴)

"آنحضورؐ کی تعلیمات نے مسلمانوں میں فعالیت اور حصولِ علم کی چاہت کو مہمیز لگائی ہے۔" یہ کلمات جعفری صاحب کے ہیں جو انہوں نے اپنے مقالے[۵] میں کہے ہیں جس میں انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ یورپی اقوام پر مسلمانوں نے کیا کیا احسانات کئے ہیں۔ اور کن کن میدانوں میں مسلمانوں نے سبقت حاصل کی ہے۔ ان ہی علوم کی تتبع ہی میں یورپی اقوام کو ترقی کا یہ دور نصیب ہوا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں مسلمانوں کی علمی شمعیں صدیوں تک روشن رہیں۔

آپ نے اس مقالے کے ابتدا میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے حصول علم اور اس کے پھیلانے میں سعی و کوشش کی ہے۔ "افضل الناس من تعلم القرآن وعلمہ الناس" کے مصداق بننے والوں کی ہمتوں کو بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ موصوف کے مقالے کا یہ حصہ مولوی محمد شفیع صاحب کے مقالے کے دوسرے حصے سے بالکل متماثل نظر آتا ہے۔ جس میں انہوں نے تعلیم کے حصول اور پھیلانے والوں کے بارے میں قرآن و حدیث کا عندیہ دیا ہے۔ موصوف کے مقالہ کا دوسرا حصہ یونانی، ہندی اور دیگر زبانوں کی کتب کے عربی میں تراجم کی سرگرمیوں کے بارے میں ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں بغداد، کوفہ، بصرہ، دمشق، قاہرہ، اسکندریہ، قرطبہ، غرناطہ، سسلی اور دوسرے مقامات میں علم و فن کے مراکز قائم ہوئے اور علم کی کرنیں کتابوں کی شکل میں پھوٹنے لگیں۔ مقالے کے آخری حصے میں جعفری صاحب نے علماء کی

---

[۵] "Libraries during the Caliphate." Dawn January 28 and February 4, 1951.

سرگرمیوں کے اس دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ اموی دور (۶۶۱ء — ۷۵۰ء) :- اس زمانے میں احادیث کی تدوین اور زبان و ادب میں نثری و شعری سرمایوں کی حفاظت کا کام ہوا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ اس عہد میں کتابیں تو موجود تھیں کتب خانوں کا وجود نہ تھا۔

۲۔ عباسی دور (۷۴۹ء — ۱۲۵۸ء) :- کتابت اور کتب خانوں کے ضمن میں یہ دور سنہری خیال کیا جاتا ہے۔ وزیر ابونصر بہاءالدولہ نے بغداد میں ۹۹۱ء میں دارالعلم قائم کیا۔ اور اس میں دس ہزار کتابیں فراہم کیں۔ یہ امر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کہ اس عہد میں اس دارالعلم کے علاوہ تقریباً تمام مساجد میں مذہبی کتب پر مشتمل خزانے موجود تھے۔

۳۔ اندلسی خلفائے بنی امیہ (۷۵۶ء — ۱۰۳۱ء) :- الحکم ثانی محب کتب تھا۔ اس کے کتب خانے کی فہرست چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس وقت قرطبہ میں ستر عوامی کتب خانے تھے۔ اور بک شاپ تو بیشمار تھیں۔ علماء کے ذاتی کتب خانے بہت تھے۔

آخر میں اس طرف بھی دھیان دیا ہے کہ اس وقت کتب خانوں میں کتابیں کس طرح رکھتے تھے۔ اور یہ کہ ان کی فہرست بھی تیار کی جاتی تھی۔

موصوف نے اپنے مقالے کو علاقوں اور زمانوں کی وسعت دیکر سطحی سا بنا دیا ہے — معلومات دوسرے مقالہ نگاروں سے کافی مختلف ہیں۔ بنوامیہ کے دور میں کسی کتب خانے کا بھی وجود نہ ہونا محل نظر ہے۔ جناب مولوی محمد شفیع صاحب اور کئی دیگر حضرات کی نظر میں خالد بن یزید (متوفی ۷۰۴ء) کا کتب خانہ صحیح معنوں میں کتب خانہ تھا۔ ہارون الرشید کے بیت الحکمت کا ذکر تو اچھا کیا مگر اس میں کتب خانے کی توصیف (DESCRIPTION) کو چھوا تک نہیں یہ بات جو تقریباً ہر قاری کو کھٹکتی ہے۔ جعفری صاحب نے کتابوں کو گتے کے غلافوں (CASES) میں رکھنے اور ان کی کیٹلاگ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ ایسی معلومات دوسرے مقالہ نگاروں کے ہاں بہت کم ملتی ہیں۔ مگر کیٹلاگ میں اندراج مصنف کے نام کے تحت بتا کر ہمیں شک میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ یہ امر متفق ہے کہ مسلمان کتابوں کو ٹائیٹل کے تحت درج کیا کرتے تھے۔

(۴)

محمد عبدالحلیم چشتی "عہد رسالت سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کے تاریخی ارتقاء" میں[۵]

---

[۵] یہ مقالہ بغرض جزوی تکمیل برائے امتحان ایم۔ اے لائبریری سائنس، جامعہ کراچی سے ۱۹۷۰ء میں پیش کیا گیا —

بتاتے ہیں کہ علوم و فنون کی تدوین مسلمانوں کے ابتدائی ادوار ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ آنحضورؐ اور خلفائے راشدین کا زمانہ اس اعتبار سے کافی اہم ہے۔ اس ڈیڑھ سو صفحات کے مقالے میں چشتی صاحب نے علم کے حصول کے بارے میں قرآنی احکامات علم کا مقام کتاب اور کتب خانے کے بارے میں بالتفصیل بتایا ہے۔ اس کے علاوہ علم کے حصول اور اس کی ترویج پر الگ بحث کی ہے۔ اس میں ذرائع حصول علم یعنی درسگاہوں وغیرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کی تدوین کے بارے میں لکھا ہے۔ عہد رسالت کے تحریری سرمائے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسلام میں کتب خانوں کی ابتداء اور مواد علم کے تحفظ میں مسلمانوں کی لگن کا پتہ دیا ہے۔ حدیث، اس کی تدوین، مختلف مجموعے، عربوں کے علوم اور سامان املاء پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔

مقالے کے دوسرے حصے میں چشتی صاحب نے خلافت راشدہ (۶۳۲ء — ۶۶۱ء) میں مختلف علوم اور ان میں کتب کا ذکر کیا ہے۔ موصوف نے ایک بہت عمدہ دریافت کی ہے کہ عہد فاروقی میں کتب خانے کی ابتداء ہو چکی تھی مگر اس کی شکل نہیں بتائی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ خلافت راشدہ میں تزئین کتب کی ابتداء ہو چکی تھی۔

تیسرے حصے میں اموی دور (۶۶۱ء — ۷۵۰ء) کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے کی تخلیقات، تفاسیر اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چشتی صاحب کا خیال ہے۔ کہ اس عہد میں تبصرے کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ علم تاریخ کی تدوین ہو رہی تھی۔ غیر زبانوں کی کتب کے تراجم عربی زبان میں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اعراب کی ایجاد اسی عہد میں ہوئی۔ خطاطی پر توجہ دی جانے لگی۔ اعلیٰ تعلیمی مراکز اور علمی حلقے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق اور مصر میں قائم ہو چکے تھے۔ عربی سرکاری زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ یہ دریافت واقعی قابل تحسین ہے کہ ۸۸ھ میں یوسف بن عمر نامی ایک شخص مکہ مکرمہ میں کاغذ سازی کا کام کیا کرتا تھا۔ مگر افسوس کہ اس کاغذ کا وجود کہیں نہیں ملا۔ عہد رسالت میں کتابیں مستعار دینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا کتب خانہ بھی تھا۔ یہی نہیں بلکہ چشتی صاحب تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمر بن العاصؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ذاتی کتب خانے تھے۔ حسن بصری اور امام زہری کے ہاں کتب کا ذخیرہ تو سبھی کو معلوم ہے۔ چشتی صاحب کے پیش نظر اگرچہ سب منقولات ہیں، مگر انہوں نے زیادہ تر معلومات کا انحصار احادیث اور ابتدائی ادوار کی عربی تالیفات پر رکھا ہے۔ جو قاری کو نہایت آسانی کے ساتھ اصل تک پہنچا دیتی ہیں۔

۵

کتاب سے والہانہ محبت مسلمانوں کی سرشت میں داخل ہے ۔ اپنے محبوب کی حفاظت ، اس کی خاطرداری محب کے دل میں قدرتی طور پر پیدا ہو ہی جاتی ہے ۔ کتاب کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا جس قدر مسلمانوں نے کام کیا ہے ۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے ۔ ڈاکٹر شیخ عنائت اللہ صاحب کا مضمون[۶] اس پہلو پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقالے میں جن امور کو واضح کیا ہے ۔ انکے اہم نکات یہ ہیں :

مسلمان کتاب سے بے پناہ محبت رکھتے تھے ۔ انہوں نے اس کی حفاظت اور دوسروں تک پہنچانے کی ہر ممکن سعی کی ہے ۔ اس جذبے کے تحت ذاتی کتب خانے اور عوامی کتب خانے وجود میں آئے ۔ کتابوں سے دلچسپی رکھنے والے بڑے بڑے شہروں کے اسواق الوراقین میں گھسے رہتے ۔ جہاں کہیں انہیں تسکین قلب کا سامان میسر آتا وہیں کے ہو کر رہ جاتے ۔ مطلوبہ کتابوں کی ہر قیمت پر نقول حاصل کرتے اور ان پر مختلف انواع کی تزئین کا اہتمام کرکے اپنے کتب خانوں کی زینت بناتے ۔ کتابوں کی تجارت کو اتنا فروغ نصیب ہوا کہ گھر گھر کتب خانے قائم ہو گئے ۔ مسلمانوں نے فتوحات کے بعد کچھ شہروں کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ۔ ان میں بغداد سر فہرست تھا ۔ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ دور دراز کے علماء اس کیطرف آنے لگے ۔ بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا ۔ لوگوں نے علم کے پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ کاغذ کی آمد نے اس کام میں بے پناہ سرعت پیدا کردی ۔ آن کی آن میں بڑے بڑے کتب خانے وجود میں آئے ۔ کئی علماء کے کتب خانوں نے تمام عالم اسلام میں شہرت حاصل کی ۔ یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے ۔ کہ ساتویں صدی عیسوی میں عربی ممالک میں عوامی ، ذاتی اور خاص کتب خانے باقاعدہ قائم ہو چکے تھے ۔

اسپین میں بنو امیہ ، مصر میں فاطمی ، حلب میں ہمدانی ، فارس میں بُوَیہ ، بخارا میں سامانی خاندان کتب خانوں کے قیام میں سرگرم عمل نظر آنے لگے ۔ ہند میں مغل بادشاہوں نے اپنی ذاتی کتب شناسی کا ثبوت فراہم کیا ۔ موصوف مقالہ نگار نے بتایا کہ بعض حضرات کے کتب خانے اپنے میدان میں تقریباً تمام عالم اسلام میں مشہور تھے ۔ جیسے جاحظ کا کتب خانہ عربی زبان و ادب کا عمدہ خزانہ تھا ۔

---

۶ "Bibliophilism in medieval Islam". Pakistan Library Review. Vol. 3, PP. 29-45 (June, 1961)

شیخ صاحب نے مقالے کے آخری حصہ میں کتب کی تجارت پر مفصل لکھا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس وقت بغداد میں تین سو (۳۰۰) دکانیں تھیں جو خاص طور پر کتابوں کی نقول، تزئین اور خرید و فروخت کا کام کرتی تھیں۔ یہ سوق الوراقین بغداد میں جامع مسجد کے متصل واقع تھا۔ اس عہد کے مسلم خطاطوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں ابن البواب، یاقوت المستعصمی کے نوشتوں کے نمونے اب بھی مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ کتابوں پر تزئین خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ نقش و نگار، نفاست اور رنگوں کی چمک امتداد زمانہ بھی نہیں مٹا سکا۔

مقالے کے آخر میں ڈاکٹر صاحب اس امر کی وضاحت کرتے گئے ہیں۔ کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی تباہی کا ذمہ دار کون تھا۔ اور اس میں مسلمانوں کو خواہ مخواہ کیوں مطعون کیا جاتا ہے۔ ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب تحقیق میدان کے شہسوار ہیں۔ مگر اس مقالے میں انہوں نے اکثر بیانات و معلومات کی تائید کیلئے حوالہ جات دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان معلومات کے ماخذ سے قارئین کو روشناس نہیں کرایا۔ یہ کمی انتہائی تکلیف دہ ہے۔

(۶)

موضوع زیر نظر اس قدر اہم ہے کہ افراد ہی نہیں بعض اداروں اور جامعات نے بھی اس میں دلچسپی لی ہے۔ یہ ادارے اس موضوع پر ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات دوسروں کی نسبت ممیز نظر آتی ہیں۔

سن ۱۹۵۵ء میں جناب ممدوح قاسمی صاحب جو اس سرزمین پاک کے سپوت ہیں، امریکہ میں ایم اے لائبریری سائنس کرنے کی غرض سے گئے تو انہوں نے وہاں ابتدائی اسلامی دور کے کتب خانے پر ایک مقالہ تحریر کیا۔[۶] موصوف نے اپنے مقالے کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ آنحضورؐ اور خلفاء کا دور:۔ مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ آنحضورؐ کے وقت تحریر شدہ مواد غیر موجود تھا۔ قرآن مجید کی تدوین ایک اہم کام ہوا ہے۔

۶؎ "Libraries in the early Islamic world." Thesis Submitted for degree of M.A in Library Science, Western Research University, 1955, PP 1-17.

۲۔ اموی دور :- اس عہد میں جنگ وجدال کا کافی عنصر پایا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود نئے علوم پیدا ہوئے جن میں گرامر، شعر وادب سرفہرست ہیں۔ اس عہد میں خالد بن یزید اموی نے کتابیں جمع کیں۔

۳۔ عباسی دور :- یہ وہ سنہرا دور ہے جس میں مسلمانوں نے دیگر اقوام کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کرنا شروع کیا۔ یہ کتابیں یونانی، فارسی اور سنسکرت زبان سے تعلق رکھتی تھیں جو زیادہ تر فلسفہ اور طب پر تھیں۔ چنانچہ اس عہد میں بڑے بڑے مترجمین پیدا ہوئے۔ ابن المقفع کا نام سبھی جانتے ہیں۔ بغداد میں کئی بک شاپ تھیں۔ عوامی کتب خانے جو خزانۃ الوقف کہلاتے تھے، اس وقت موجود تھے۔ مختلف کالجوں جیسے نظامیہ اور مستنصریہ وغیرہ میں کتب خانے موجود تھے۔ ان پر حکام وقت خاص توجہ دیتے تھے۔ ان کے علاوہ دارالعلم موصل میں اور خزانۃ الوقف بصرہ میں بھی قائم تھے۔ اس عہد کے ذاتی کتب خانوں کا شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں یحییٰ برمکی متوفی ۸۰۵ء، الواقدی متوفی ۸۲۲ء، الاصمعی متوفی ۸۳۲ء، ابن الزیات متوفی ۸۴۷ء اور ابن العلقمی متوفی ۱۲۵۸ء کے کتب خانے زیادہ مشہور تھے۔

۴۔ مصر اور اسپین :- ان علاقوں کے کتب خانوں پر پوری ایک فصل باندھی ہے۔ اس میں فاطمین مصر اور الحکم ثانی کے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی تباہی پر آنسو بہائے ہیں۔

۵۔ پانچویں فصل میں موصوف مقالہ نگار نے کتب خانوں کی عمارات، کتابوں کی ترتیب، جمع کرنا (Acquisition) اور حفاظت پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ کتب خانے کے عملے کے بارے میں بھی لکھا ہے۔

۶۔ آخری فصل میں قاسمی صاحب نے مختلف کتب خانوں کی تباہی پر کافی معلومات جمع کی ہیں اس حصے میں ان وجوہات کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن کے نتیجے میں یہ تباہی واقع ہوئی ہے۔ آخر میں مقالہ نگار نے مصر، ترکی پاک وہند کے موجودہ کتب خانوں پر ایک سرسری نظر ڈالی ہے۔ ان ممالک کے مخطوطات کی حفاظت کی طرف علماء کی توجہ مبذول کرائی ہے۔

موصوف مقالہ نگار نے اپنے دائرہ کار کو بہت وسیع رکھا ہے اور ہر ایک گوشے کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایک سطحی سا مقالہ بن گیا ہے۔ معلومات میں عمق نہیں ہے۔ اگرچہ کتب خانوں کو فنی لحاظ سے دیکھنے کی سعی کی ہے۔ مگر مواد بہت کم دیا ہے۔ یہ بات بھی کھٹکتی ہے۔ کہ ایک مسلمان کے قلم سے مغربی نقطۂ نظر کی وکالت کرائی جا رہی ہے۔

(۷)

اب تک جو مقالات آپ کی نظر سے گزرے ہیں وہ مسلمانوں کے عندیہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان

میں جذبات زیادہ اور حقیقت نسبتاً کم ہے۔ (اس میں سے صبوح قاسمی صاحب کا مقالہ کسی حد تک شامل نہیں کیا جاسکتا۔) مگر اب ہم غیر مسلموں میں سے ایک صاحب کے مقالے کا جائزہ لیں گے۔ یہ مقالہ ایک اطالوی مستشرق اولیگا پنٹو (OLGA PINTO) نے تحریر کیا ہے۔ اس مقالے کی اہمیت اور اس میدان میں یگانہ روزگار ہونے کی بدولت ایک دوسرے مستشرق کرنکو (KRENKOW) صاحب نے اس کا اطالوی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے[۵۸]۔ یہ مقالہ استشراق کی کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع سے مغربیوں کے اغماض کا رونا رویا ہے۔ پھر کتاب کی اہمیت، مسلمانوں کا کتب سے لگاؤ، خطاطی، تجلید، نقش و نگار اور تزئین کتب پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ بغداد میں کتابوں کی تجارت کا ذکر کرنے کے بعد مختلف علاقوں کے کتب خانوں کو گنایا ہے۔ ان میں سب سے مفصل حالات اسپین کے حاکم الحکم ثانی کے کتب خانے کے ہیں۔ اس فصل کے بعد مقالہ نگار نے کتب خانوں کی عمارات، قارئین کے لئے سہولتیں، کتابوں کی ترتیب اور کتب خانوں پر اخراجات کے ضمن میں ایک شذرہ لکھا ہے۔

آخری حصے میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں عرب ممالک کے کتب خانوں کی حالت اور ۱۹۰۹ء تک جو کتب خانے ان علاقوں میں موجود تھے ان پر مختصر نوٹ لکھا ہے۔ فرانسیسیوں کے زیر اثر الجزائر اور مراکش میں کتب خانوں کے ضمن میں جو اہم تبدیلیاں آئی ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک طائرانہ نظر ہند کے کتب خانوں پر بھی ڈالی ہے۔ آخر میں اس امر کا افسوس ظاہر کیا ہے۔ کہ مخطوطات کی حفاظت کے سلسلے میں بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔ اور پھر اس قیمتی سرمائے کو بچانے کیلئے ایک تجویز پیش کی ہے کہ مستشرقین اور علمی ادارے مل کر اس تہذیبی سرمائے کو پہلے تو معلوم کریں اور پھر اس کی حفاظت کے مختلف علاقوں میں مختلف اقدام کئے جائیں۔

(۸)

ان مقالات میں مندرجہ ذیل امور آپ نے ضرور نوٹ کئے ہوں گے:

۱۔ سب میں یہ امر مشترک ہے کہ تمام مقالہ نگاروں نے کچھ نہ کچھ کتب خانوں کا ذکر ضرور کیا ہے۔

---

[۵۸] The Libraries of the Arabs during the times of the Abasider. Islamic Culture. Vol. 3 pp. 210-24 (April, 1929).

اسلام کے ابتدائی دور اس لحاظ سے کافی تشنہ ہے۔ اس لئے معلومات میں گہرائی نہیں آتی۔ صبوح قاسمی صاحب نے کہا ہے۔ کہ آنحضور کے عہد میں تحریری مواد غیر موجود تھا۔ جبکہ چشتی صاحب نے اس کے بالکل برعکس بات کہی ہے۔ بلکہ اس تحریری مواد کی فہرست بھی دے دی ہے۔ الغرض یہ دور ابھی تک تحقیق کا محتاج ہے۔

۲۔ بعض مسلمان مقالہ نگاروں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسے بیانات دئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، صرف خیالی باتیں ہیں۔

۳۔ اودیگا پنٹو صاحبہ اور چشتی صاحب کے علاوہ بہت کم حضرات نے اپنی باتوں کی تصدیق کے لئے حوالہ جات دینے کی زحمت گوارا کی ہے۔

۴۔ ان مقالات میں ایک دوسرے پر اثرات یا دوسروں کے خیالات مستعار لینے کا عنصر خاصہ موجود ہے۔ جیسے مثلاً کتب خانوں کی عمارات، کتب خانوں میں قارئین کے لئے سہولتوں کا ذکر سب سے پہلے پنٹو نے کیا۔ اور قاسمی صاحب نے یہ خیالات ان سے مستعار لئے ہیں۔

۵۔ ان میں بعض مبہم معلومات اور خیالات تقریباً ہر مقالہ نگار کے ہاں موجود ہیں جن میں چشتی صاحب، ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور اودیگا پنٹو صاحبہ کا زیادہ حصہ ہے۔

۶۔ آخری افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے بعض علماء اس میدان میں مقالات لکھتے وقت مبالغہ آمیزی سے بہت کام لیتے ہیں جو ظاہر ہے تحقیق کیلئے سم قاتل ہے۔

(۹)

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس میدان میں ہم نے بہت کم معلومات جمع کی ہیں۔ کئی ایسے گوشے ہیں جو ابھی تحقیق طلب ہیں۔ کتب خانوں سے متعلق موجودہ مواد بھی چھان پھٹک کا محتاج ہے۔ یہ تو امر واقع ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ہر مقام، جگہ اور شہر میں کتب خانے موجود تھے۔ ان سے استفادے کا کوئی منظم نظام بھی موجود تھا۔ کتابیں حاصل کرنے، جمع کرنے، ان کو کتب خانوں میں ایسے انداز سے مرتب کرنے کہ بوقت ضرورت آسانی سے مل سکیں، ان کی حفاظت اور استفادے کو بڑھانے کیلئے عملے کی حاجت، اسی طرح قارئین حضرات ان ذخیروں سے استفادہ کس طرح کرتے تھے۔ علی ہذا القیاس مسلمانوں کے اس علمی و ثقافتی عنصر "کتب خانہ" کے کئی ایسے پہلو ہیں جن میں کافی وقت، نظر اور فکر و تدبر کی ضرورت ہے۔ موجودہ تہذیب کی یہ گم شدہ کڑی مسلمانوں ہی کو تلاش و جستجو سے حاصل کرنی چاہئے جن کا یہ ورثہ ہے۔

اس ضمن میں میری تجویز یہ ہے کہ ہر علاقے کے کتب خانوں کے بارے میں مستند اور باوثوق

ذرائع سے معلومات جمع کی جائیں پھر ان معلومات کا موجودہ علم کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔ تب ہم اس تحقیق کا صحیح حق ادا کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں شام کے ماہر علم کتابداری مرحوم یوسف العش کی کتاب[۹] کو نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹریٹ کے اس مقالے میں انتہائی مستند معلومات جمع کی ہیں۔ اور پھر ان کا تجزیہ کیا ہے۔ اس انداز پر ہر علاقے کے کتب خانوں کی معلومات سے متعلق ایک مستند تاریخ مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

---

۹ Les Biblistheques Arabes; publiques et Semipublique en Mesopotamie en Syrie et en Egypt au moyen age, Damas, 1967.

سلیم الحق صدیقی

عرب جمہوریہ سیریا
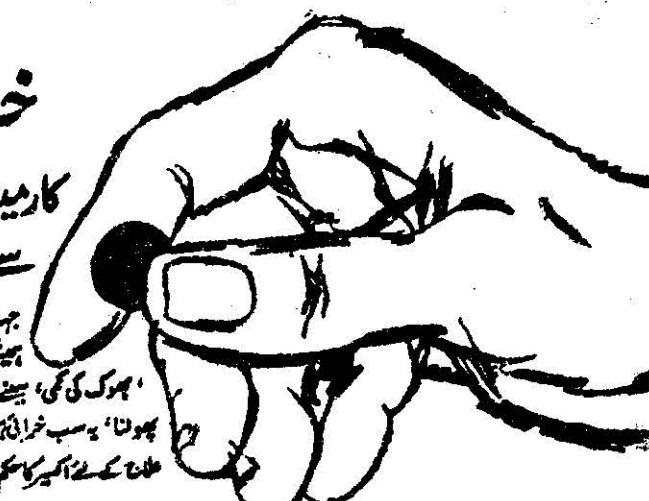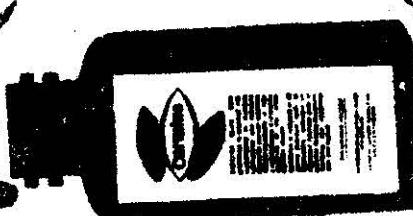
مملکت سیریا کا قومی نام عرب جمہوریہ سوریا ہے اور قدیم نام شام ہے۔ شام اصل میں موجودہ چار ممالک یعنی سیریا، لبنان، اسرائیل و فلسطین اور اردن کو ملاکر کہتے تھے۔ اور یہ علاقہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد مبارک میں فتح ہوا۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم گہوارہ بنا۔

مذہب

سیریا کا کل رقبہ تقریباً ۷۰ ہزار مربع میل کے قریب ہے۔ جو ہمارے صوبہ پنجاب سے کچھ چھوٹا ہے اور آبادی تقریباً پونے کروڑ کے قریب ہے۔ کل آبادی میں تقریباً ۷۰ فیصدی سنّی مسلمان ہیں۔ سات آٹھ فیصدی نصیری مذہب کے پیروکار ہیں۔ اور دو فیصد کے قریب دروزی ہیں باقی آغاخانی اسمٰعیلی اور اثنا عشری، شیعہ تین فیصد کے قریب ہیں جو زیادہ تر ضلع سلامیہ میں آباد ہیں۔ پندرہ فیصد کے قریب باشندے عیسائی ہیں جو دس فرقوں میں منقسم ہیں۔ ان کا سب سے بڑا فرقہ گریک آرتھوڈاکس ہے۔ پھر آرمینی آرتھوڈاکس، مارونائٹ (MARONITE) چالڈین اور دیگر چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں۔ سیریا میں ایک قدیم مذہب کے کچھ لوگ آباد ہیں جو یزیدی YAZIDI کہلاتے ہیں جو شیطان اور شیطانی قوتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں بدی ہمیشہ نیکی پر غالب رہتی ہے۔ اور ہر جگہ شیطانی قوتوں کا راج ہے۔ اس لئے یہ ہی پوجا کے لائق ہیں۔ نصیری فرقہ کے لوگ جو شمال میں ترکی کی سرحد کے قریب لطاکیہ کے ضلع میں آباد ہیں۔ علوی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو خدا اور دیوتا کا درجہ دیتے ہیں۔ اور ان کے اور ان کی اولاد کے بت بناکر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اور آواگون یعنی تناسخ و حلول ارواح کے قائل ہیں۔ ان کا مذہب شیعہ، عیسائی اور قبل از مسیح کے کچھ مذاہب کے عقائد کا مجموعہ ہے۔ اس

مذہب کے بانی اہل تشیع کے گیارویں امام حسن عسکری کا ایک مرید محمد بن نصیر تھا، جس نے نویں صدی عیسوی میں اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اور عیسائی عقیدہ تثلیث کے مقابلہ میں الوہیت علی کا عقیدہ پیش کیا۔ اور ان کے بت بناکر جہلا میں تقسیم کئے۔

سیریا کے جنوبی علاقہ میں دروزیہ مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ اور ان کے نام پہ وہاں کا پہاڑی علاقہ جبل دروز کہلاتا ہے۔ یہ لوگ بھی آواگون کے قائل ہیں۔ اور ایک باطنی اور خفیہ مذہب پہ عمل کرتے ہیں۔ اسمٰعیلی فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کے پیروکار ہیں، اور اس کے نزول کے منتظر ہیں۔ حج نماز روزہ کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تاریخ جدید | ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے موقعہ پر جب مغربی طاقتوں کی سازش سے عرب قومیت کی تحریک اٹھائی گئی۔ اور ان کو عظیم تر عرب مملکت کے سنہری خواب دکھائے گئے تو عربوں نے ترکوں کے خلاف مغربی طاقتوں کا ساتھ دیا۔ اور برطانیہ اور فرانسیسی سامراج کی پشت پناہی میں خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کردی۔ مفتی اعظم فلسطین جناب امین الحسینی مرحوم جو اس وقت یورشلم کے شہر کے نوجوان مفتی مقرر ہوئے تھے۔ سامراجیوں کے اس فریب کا شکار ہوکر ترکوں کے خلاف عربوں کی قیادت کی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۱ء میں جب وہ مفتی اعظم فلسطین اور عربوں کے ایک عظیم لیڈر کے طور پہ ابھرے تو برطانیہ کے فریب دھوکے اور فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کو عملاً دیکھ کر فلسطین پہ قابض انگریزوں کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کو ملک بدر ہونا پڑا۔ آزادی فلسطین کے لئے انہوں نے ہٹلر تک سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے وقت جو انہوں نے خواب دیکھے تھے ان کی صرف حسرت لیکر بیروت میں گذشتہ دنوں اسی سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔

برطانیہ۔ فرانس اور روس نے جو عربوں کے ساتھ ایک عظیم تر عرب مملکت قائم کرنے کے وعدے کئے تھے۔ ان کو پس پشت ڈال کر ایک آپس میں خفیہ معاہدہ کیا جسکی رو سے ترکوں کی شکست کے بعد شام کا شمالی علاقہ یعنی سیریا اور لبنان کا علاقہ فرانس کی تحویل میں دیدیا گیا۔ اور ۱۹۲۰ء میں فرانس نے دمشق پہ قبضہ کرکے سیریا اور لبنان پہ اپنی حکومت قائم کرلی۔ عراق، فلسطین اور اردن کا علاقہ برطانیہ کے حصہ میں آیا۔ فرانس نے چندسال جب حکومت کرکے دیکھا کہ شام کے مسلمان ان سے تعاون نہیں کرتے اور ان کے خلاف بغاوت پہ آمادہ ہیں تو ۱۹۲۵ء میں فرانس نے شامی مسلمانوں کے خلاف ایک مکروہ سازش کے تحت شام کو چار مملکتوں میں تقسیم کردیا کیونکہ شام کی عظیم اکثریت سُنّی مسلمانوں پر مشتمل تھی اس لئے ان کی کمر توڑنے کے لئے نصیریوں، دروزیوں اور ساحل لبنان کے عیسائیوں کو

علیحدہ علیحدہ ریاستیں قائم کر دی گئیں۔ فوج اور دیگر سرکاری محکموں میں نصیری، دروزی اور عیسائی دبا کر بھرتی کئے گئے، کیونکہ فرانسیسی حکومت ان پہ زیادہ اعتماد کر سکتی تھی۔ اس سامراجی عمل کے بعد سیریا کے مسلمانوں نے فرانس کے خلاف عام بغاوت کر دی جو لبنان تک پہنچ گئی۔ اس کے ردِعمل میں فرانسیسی طیاروں نے دمشق اور دیگر شہروں پہ ۱۹۲۶ء میں سخت بمباری کر کے بغاوت کو دبا دیا۔ اور اپنا قبضہ اور مستحکم کر لیا۔ ۱۹۴۱ء میں دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر سیریا کے مسلمانوں کو ایک نادر موقعہ ہاتھ آیا۔ اس دفعہ وہ فرانس کے خلاف انقلاب لانے میں کامیاب رہے۔ جنرل عابد شیشاکلی SHISHAKALI جو فرانس کی شامی فوج کے ایک ہونہار افسر تھے، نے انقلاب کے لئے سب سے زیادہ محنت کی۔ فرانس جو جنگ کی مصیبت میں مبتلا تھا۔ مقابلہ نہ کر سکا۔ ۱۹۴۳ء میں ایک فوجی حکومت تشکیل دی گئی، جس کے پہلے صدر شکری القواتلی مقرر ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانوی افواج کا کچھ دن قبضہ رہا۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں ان کے مکمل انخلا کے بعد سیریا کو مکمل آزادی نصیب ہو گئی۔ لبنان کی عیسائی آبادی جو ملک کی نصف آبادی پہ مشتمل ہے، سیریا میں شامل ہونا گوارا نہ کیا۔ اور اپنی علیحدہ حیثیت کو قائم رکھا۔ نصیری اور دروز اپنی الگ ریاستوں کو مسلمانوں کی شدید مخالفت اور کچھ معاشی وجوہات کی بناء پر قائم نہ رکھ سکے اور سیریا میں شامل رہے۔

۱۹۵۰ء میں جنرل عابد شیشاکلی صدر مملکت بنے جو ۱۹۵۴ء تک برسرِ اقتدار رہے۔ یہ کٹر قسم کے سنّی مسلمان تھے، ان کے زمانے میں اقلیتی فرقوں نے بہت سر اٹھایا اور حکومت کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ کیونکہ یہ لوگ ملک میں سیاسی استحکام کو اپنے لئے خطرہ تصوّر کرتے تھے۔ موصوف نے ان چھوٹے فرقوں کی شرارتوں کا سختی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار جنگِ آزادی کے اس عظیم سپاہی کو ملک بدر ہونا پڑا۔ مرحوم شیشاکلی برازیل میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۶۴ء کو ایک دروز نوجوان نے آپکو اپنے ہوٹل کے کمرہ میں شہید کر دیا جسکو اسی مقصد کے لئے دمشق سے بھیجا گیا تھا۔

۱۹۵۷ء میں سیریا کی قومی اسمبلی نے مصر کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا، جس کے نتیجہ میں فروری ۱۹۵۸ء میں متحدہ عرب جمہوریہ قائم ہو گئی۔ اور جمال عبدالناصر صدر مقرر ہوئے۔ لیکن یہ اتحاد ۱۹۶۱ء میں ایک فوجی بغاوت کے بعد ختم ہو گیا۔ اور سیریا پھر ایک آزاد مملکت قرار پایا۔ صدر ناصر کو اس علیحدگی کا سخت صدمہ پہنچا۔ یہاں تک کہ وہ ایک تقریر کرتے کرتے رو پڑے۔ کیونکہ ان کا عرب قومیت کا نعرہ اور عرب سوشلزم کا نظریہ بری طرح شکست کھا چکا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ عربوں کے اتحاد میں

اسلام کو نفی کردینے کے کیا نتائج ہوسکتے ہیں۔

فرانس کے بائیس سالہ دورِ حکومت میں مغربی افکار کی نوجوان طبقہ میں کافی نشرواشاعت کی گئی جس کے نتیجہ میں ایک عیسائی مائکل افلاق نامی شخص نے ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی، جس کا نام بعث سوشلسٹ پارٹی رکھا گیا۔ عربی میں بعث کے معنی دوبارہ زندہ کرنے کے ہیں۔ جس کے نام سے عربوں میں یہ تاثر دیا گیا۔ کہ یہ پارٹی عربوں کی قدیم شان وشوکت اور سلطنت کو دوبارہ زندہ کرے گی۔ اس پارٹی نے عراق اور شام کے نوجوان طبقہ میں بہت مقبولیت حاصل کرلی۔ اور آج ان دونوں ملکوں کی عنانِ حکومت اس پارٹی کے ہاتھ میں ہے۔ اور سیریا میں بعث پارٹی شروع سے اقلیتی فرقوں کے کنٹرول میں چلی آرہی ہے۔ ۱۹۶۳ء میں بعث پارٹی اور فوج سے مل کر جنرل امین الحفیظ کی قیادت میں حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ تمام بنک اور کئی تجارتی ادارے قومی تحویل میں لے لئے گئے۔ ان اقدام کی علماء اور اخوان المسلمین نے سخت مخالفت کی۔ کیونکہ اس کا مقصد سوادِ اعظم پر مکمل تسلط حاصل کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور اسلامی تنظیموں کو خاص طور پر مالی طور پر مفلوج کرنا تھا۔ اس کے بعد بعث پارٹی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر نورالدین الاتاشی سیریا کے صدر مقرر ہوئے اور ایک پارٹی حکومت قائم ہوئی۔ جنرل حافظ الاسد کو وزیرِ دفاع مقرر کیا گیا جو خود نصیری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آج کل سیریا کے صدر ہیں۔ ان کو فوج کے کلیدی عہدوں پر فائز نصیری، دروزی اور عیسائی افسروں کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ حافظ الاسد خود نصیری مذہب کے پیروکار ہونے کے باوجود کٹر بعث سوشلسٹ ہیں۔ اور مصر و سیریا کے الحاق کے دور میں قاہرہ میں شامی افسروں میں بعث پارٹی کی تبلیغ کا کام کرتے رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں سیریا کے ہاتھ سے تمام جولان سطح مرتفع کا علاقہ نکل گیا۔ اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے مزید پیش قدمی کرکے شام کی بلند ترین پہاڑی کوہ ہرمن یا جبل الشیخ پر قبضہ کرلیا۔ جہاں سے دمشق اور سیریا کے ایک وسیع علاقے پر نظر رکھی جاسکتی تھی، امریکہ کے یہودی وزیرِ خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر نے امریکی وزارتِ دفاع کی سخت مخالفت کے باوجود صدر نکسن کو اسرائیل کی بھرپور مدد کے لئے آمادہ کرلیا۔ وزارتِ دفاع کی یہ رائے تھی۔ کہ اسرائیل کی کھلم کھلا فوجی امداد کے ردِعمل میں عرب تیل کا ہتھیار استعمال کرکے ساری دنیا کا ناک میں دم کرسکتے ہیں۔

یہ خدشہ صحیح ثابت ہوا، اور ڈاکٹر کسنجر کو اسرائیل اور سیریا کے درمیان ایک متفقہ جنگ بندی لائن قائم کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ ادھر صدر حافظ الاسد کی یہ پوزیشن تھی کہ

وہ ایک اقلیتی نصیری فرقے سے تعلق کی بنا پر شخصی طور پہ اسرائیل سے سمجھونہ کرنے سے مخالف تھے۔ جو ان کے خلاف آئندہ ایک الزام کے طور پہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ لہذا انہوں نے سنی فوجی افسروں پر اس سمجھوتے کی ساری ذمہ داری ڈال دی۔

سیریا کی واحد اور سرکاری پارٹی بعث پارٹی ہے۔ دوسری سیاسی پارٹی عرب قوم پرست پارٹی پہ ۱۹۶۳ء میں پابندی لگا دی گئی تھی۔ جو اب خفیہ طور پہ کام کر رہی ہے۔ تیسری سیاسی پارٹی کیمونسٹ پارٹی ہے جس کے جنرل سیکرٹری خالد بغداش تھے۔ یہ پارٹی بھی پابندی کی وجہ سے خفیہ طور پہ کام کر رہی ہے۔ سیریا کا سرکاری مذہب دستور میں اسلام تحریر ہے۔ جو صرف برائے نام، دکھاوے اور اکثریت کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ اور ساتھ ہی قانون سازی کا ماخذ دستور میں اسلامی فقہ لکھا ہے۔ لیکن عملی طور پہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ۔۔۔ سیریا کے مفتی اعظم آجکل جناب احمد کفتارو ہیں۔ اور سنی مسلمانوں کی شرعی عدالتوں کے نگران ہیں۔ باقی دیگر فرقوں کی اپنی الگ الگ عدالتیں ہیں۔ جو ان کے اپنے مذہبی قوانین کے تحت فیصلہ کرتی ہیں۔ ان کا دائرہ اختیار شخصی وعائلی مقدمات تک ہے۔ سیریا کا شمار مغربی علاقہ نہایت زرخیز اور شاداب ہے۔ جہاں بحر روم کے طرز کی آب و ہوا کی وجہ سے کافی بارش ہوتی ہے۔ اس لئے مختلف اقسام کے اناج بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ ملک خوراک کے معاملہ میں خود کفیل ہے۔ قبل از اسلام حجازی عرب اس خطے سے زیادہ تجارت کرتے تھے۔ اور اپنی خوراک کی ضروریات بیشتر یہاں سے حاصل کرکے پوری کرتے تھے۔ سینکڑوں قافلے تجارتی مال لیکر سیریا آتے جاتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کا پایہ تخت بھی اسی خطے کے ایک مقام پہ واقع تھا۔ تاریخی لحاظ سے دمشق کو دنیا کا قدیم ترین مسلسل آباد شہر قرار دیا گیا ہے۔ حمص اور حلب اس خطہ کے عظیم شہر ہیں۔ سیریا کی قومی زبان جہاں عربی ہے۔ وہاں نسلاً یہ لوگ سامی عرب کہلاتے ہیں۔ کیونکہ قدیم سامی اور عرب لوگوں کے میل جول سے یہ نئی نسل پیدا ہوئی۔

شام اب بھی اسلامی تہذیب و تمدن کا عظیم مرکز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اس خطے کی چار ممالک میں سیاسی تقسیم اور یہودیوں، عیسائیوں، نصیریوں اور دروزوں کا عروج شام میں اسلام کے مستقبل کو تاریک کئے دے رہا ہے۔ لیکن حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے انشاء اللہ تاریخ اپنے آپ کو ضرور دہرائے گی۔ اور مسلمان پھر سرخرو ہوں گے۔

■■

جناب اختر راہی۔ ایم۔ اے

خوشحال خانؒ خٹک
اور
اقبالؒ

خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا عظیم شاعر ہے۔ اس سے پہلے چند ایک نظمیں اور غزلیں ہی پشتو ادب کا کل سرمایہ تھیں۔ مرزا خان انصاری (م ۱۰۳۰ھ) نے پشتو شاعری میں متصوفانہ خیالات پیش کر کے تنوع پیدا کیا تھا۔ مگر ابھی تک اس میں ہمہ گیری اور وسعت کا فقدان تھا۔ اس خلا کو خوشحال خان خٹک نے پُر کیا۔ خوشحال خان ایک عالم، شاعر و نثار ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھا۔ خوشحال خان کے کلام میں تصوّف، سیاست، اخلاقیات، جنسیات، حکمت اور سیر و شکار غرضیکہ ہر موضوع پر اشعار ملتے ہیں۔ خوشحال خان نے تنہا پشتو ادب کو جو کچھ دیا ہے، اس سے پہلے کے تمام شعراء و ادباء مل کر بھی اتنا کچھ نہ دے سکے۔

خوشحال خان ضلع پشاور کے اکوڑہ نامی قصبے میں ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء میں پیدا ہوا، اس کا والد شہباز خان مغل دربار میں منصبدار تھا۔ ایک منصبدار کا بیٹا ہوتے ہوئے اعلیٰ درجے کی تعلیم پائی اور فنونِ سپہ گری، تیغ زنی، نیزہ بازی، گھوڑ سواری، پیراکی وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ باپ کی وفات پر خوشحال خان قبیلے کا سردار چنا گیا اور شاہجہان کی طرف سے منصبدار مقرر ہوا۔ خوشحال خان سے شاہجہان نہایت خوش تھا۔ اور اُسے انعاموں، جاگیروں اور اعزازات سے نوازتا رہا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں خوشحال خان کچھ اپنے عزیزوں اور کچھ دوسرے حاسدوں کی سازش سے بادشاہ کا معتوب ہو گیا اور قلعہ رنتھمبور میں قید کر دیا گیا۔ ایامِ اسیری میں اس کا واحد شغل شعر و شاعری تھا۔ اس دور کے کلام میں وطنِ عزیز کی یاد اور اہل و عیال کا تذکرہ ہے۔ غزلوں میں بے پناہ دکھ، کرب اور تلخی جھلکتی ہے۔

قید سے رہائی کے بعد مغلوں کا جانی دشمن بن گیا اور مرتے دم تک مغلوں سے برسرِ پیکار رہا

خود اورنگ زیب کو خوشحال خان کی قبائلی جنگ کی خاطر لاہور آنا پڑا اور مہمیں بھیجنی پڑیں۔ خوشحال خان کی زندگی کے آخری تیس ۳۰ سال بے سروسامانی اور پریشان حالی میں گزرے۔ اس کے عزیز و اقارب حتیٰ کہ بیٹے بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ قبائل کو مغلوں کے خلاف اس حد تک مجتمع نہ کر سکا جتنا کہ وہ چاہتا تھا۔ آخر ۱۱۰۰ھ/۱۶۹۱ء میں وفات پائی۔

خوشحال خان کا کلام سرحد کے پیر و جواں کی زبان پر ہے۔ اور آج دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے خوشحال خان کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ ایچ۔ جی۔ راورٹی (H.G. RAVERTY) نے SELECTIONS FROM THE POETRY OF THE AFGHANS میں خوشحال خان کی نظموں کے ترجمے پیش کئے۔ سی۔ ای۔ بیڈلف (C.E. BIDLUPH) نے ______ (AFGHAN POETRY OF THE 17th CENTUR) ______ میں بھی خوشحال خان کا کلام پیش کیا۔ ۱۸۹۲ء میں E. HOWELL اور CAROE نے THE POEMS OF KHUSHAL KHAN KHATTAK کے نام سے کچھ منظومات کا ترجمہ کیا۔

علامہ اقبال نے خوشحال خان کے ان تراجم میں آخرالذکر کا تفصیلی مطالعہ کیا تھا اور انہیں خوشحال خان کی حریت پسندی اور جذبات حمیت اس قدر پسند آئے کہ انہیں اردو یا فارسی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء کے ایک خط میں نیاز الدین خان کو لکھتے ہیں :

"افسوس کہ میں پشتو نہیں جانتا، ورنہ سرحد کی مارشل شاعری کو اردو یا فارسی لباس پہنانے کی کوشش کرتا۔" (مکاتیب اقبال ص۱۵)

خوشحال خان کے پشتو تراجم کے ذریعے اہل علم متعارف ہو رہے تھے اور خوشحال خان کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔ پروفیسر محمد شفیع نے اس بارے میں استفسار کیا۔ انہیں لکھتے ہیں :

"خوشحال کھٹک (خٹک) مشہور محب وطن پر میں نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے جو "اسلامک کلچر" حیدر آباد میں شائع ہوگا۔" (اقبال نامہ ص۲۲ ج اول)

علامہ اقبال کا یہ نوٹ اور اٹھارہ نظموں کا ترجمہ اسلامک کلچر کی اشاعت مئی ۱۹۲۸ء میں چھپا۔ خوشحال خان خٹک کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"Throughout his poetry the major portion of which was written in India, and during his struggles with the Mughuls, breathes the Spirit of early Arabian poetry. We find in it the same simplicity an directness

of expressions, the same love of freedom and war, the same criticism of life."[1]

۱۹۳۲ء میں جاوید نامہ شائع ہوا جس میں یہ اشعار موجود ہیں ؎

اشترے یابد اگر افغانِ حُر — با براق و ساز و با انبارِ دُر
ہمت دونش ازاں انبارِ دُر — می شود خوشنود با زنگ شتر[2]

یہ اشعار خوشحال خان خٹک کی ان اشعار سے ماخوذ ہیں:

ترجمہ:۔ (افغان کتنے جاہل بے وقوف اور نکمے ہیں۔ یہ بوچڑ خانے کے کتے ہیں مغل کے سیم وزر کے لئے بادشاہی ہار بیٹھے اور مغلوں کے منصوبوں کی ہوس ان کے دامنگیر ہے۔

اموال و اسباب سے لدا ہوا اونٹ ان کے گھر آیا مگر یہ اس کے گلے کی گھنٹی کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس کے لئے آپس میں لڑنے لگے۔

علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" کے ان اشعار میں خوشحال خان کی طرح اور غالباً اس سے تاثر لیکر افغانیوں کے قومی کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

اکتوبر، نومبر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبالؒ، راس مسعودؒ اور سید سلیمان ندویؒ حکومتِ افغانستان کی دعوت پر افغانستان کے نظامِ تعلیم کے بارے میں صلاح مشورہ دینے کے لئے افغانستان گئے اس سفر میں علامہ نے پشتو زبان بولنے والوں سے گفتگو کی۔ ان کے افکار و نظریات کا جائزہ لیا اور ان کی نفسیات کا مطالعہ کیا۔ پشتو زبان و ادب اور پشتو بولنے والوں سے ان کا تعلقِ خاطر مزید مضبوط ہوا۔ علامہ کو افغان قوم اور ان کی زبان پشتو سے جو دلچسپی تھی۔ اس کا اظہار مندرجہ ذیل اقتباس[3] سے ہوتا ہے:

"میں افغانوں کو ایک جفاکش اور سخت کوش جاندار قوم کی حیثیت سے احترام کرتا ہوں ---- افغانوں کی تاریخ کے سلسلے میں ہندوستان اور افغانستان دونوں جگہ بہت کام کرنا ہے۔ یہ قوم جس نے محمد غوری، علاء الدین خلجی، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی امیر عبدالرحمان خان، شاہ نادر شاہ اور سب سے بڑھ کر ہمارے زمانے کے سب

---

[1] اسلامک کلچر مئی ۱۹۲۸ء [2] جاوید نامہ طبع دوم صفحہ ۲۰۰ [3] فارسی اگرچہ ایک ہزار سال سے افغانستان کی علمی و ادبی اور سرکاری زبان ہے۔ تاہم افغانستان کے عوام کی مادری زبان ہمیشہ سے پشتو رہی ہے۔

سے بڑے مسلمان اور عظیم ایشیائیوں میں سے ایک مولانا سید جمال الدین افغانی جیسے لوگوں کو جنم دیا ہے۔" [1]

مولوی نجم الغنی نے اپنی تالیف "اخبار الصنادید" علامہ کو بھیجی۔ علامہ نے مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا:

"قوم افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی۔ کثرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں۔ قاضی امیر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں، ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ "فغ" قدیم فارسی میں بمعنی "بت" آیا ہے۔ اور افغان میں الف سالبہ ہے۔ چونکہ ایران میں بود و باش رکھنے کے وقت افغان بت پرست نہ تھے۔ اس واسطے ایرانیوں نے انہیں افغان کے نام سے موسوم کیا۔

میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی اصل کے موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے نہایت بار آور ہوگی۔" [2]

پشتو زبان سے علامہ کی دلچسپی ظاہر ہے۔ مگر مسلمانوں کے مفادات کے پیش نظر افغانستان کی قومی زبان پشتو بنانے کی تحریک کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ سفر افغانستان کے دوران میں انجمن ادبی افغانستان کے ناظم عبدالحی خان ملے، سید ندوی لکھتے ہیں:

"(عبدالحی خان) اس تحریک کے کہ افغانوں کی قومی زبان پشتو کو ترقی دیکر یہاں کی تعلیمی و علمی و سرکاری زبان بنائی جائے، علمبردار ہیں۔ انہوں نے آنے کے ساتھ ڈاکٹر اقبال سے اسی موضوع پر گفتگو شروع کی، ڈاکٹر صاحب نے زبانوں کی نشو و نما اور ترقی پر اصولی بحث فرمائی اور اس بات پر زور دیا کہ زبان ایک قوم کے مختلف افراد کی باہم پیوستگی کا سب سے ضروری اور موثر ذریعہ ہے۔ لیکن اگر اس تحریک سے قوم کے افراد میں اتحاد کی بجائے اختلاف رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ پیوستگی کا پیغام ہونے کی جگہ نزاعات اور اختلافات کا ترانہ جنگ ہے جس سے افغان قوم کو موجودہ منزل میں بہت کچھ بچنا چاہئے۔" [3]

۱۹۳۵ء میں "بال جبریل" شائع ہوئی "بال جبریل" میں پانچ شعروں کی ایک مختصر نظم "خوشحال خان کی وصیت" کے عنوان سے درج ہے۔

---

[1] دیباچہ "افغانستان" (تالیف جمال الدین احمد و عبدالعزیز) بحوالہ ماہ نو اپریل ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۲

[2] انوار اقبال صفحہ ۲۸۴ [3] سیر افغانستان صفحہ ۱۴۸-۱۴۹

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم !　　کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے　　ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کم تر نہیں　　کہستاں کا یہ بچۂ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہمنشیں دل کی بات　　وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ　　مغل شہسواروں کی گرد سمند

اس نظم کے ذریعے علامہؒ نے پہلی بار اردو خواں طبقے کو خوشحال خان سے متعارف کرایا، اس بات کا انہیں خود بھی احساس ہے۔ حاشیہ میں مندرجہ ذیل تعارفی تحریر لکھی ہے:

"خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لئے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی صرف آفریدیوں نے آخر دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی تقریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا[۱]"

چونکہ علامہ پشتو زبان نہیں جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ترجمہ، انگریزی ترجمہ سے کیا تھا۔ ترجمہ میں یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ ہر زبان کا ایک مزاج ہے جو کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ علامہ انگریزی ترجمے سے آزاد ترجمہ کرتے ہوئے بلاشبہ محسوس کرتے ہوں گے کہ ترجمہ در ترجمہ کی وجہ سے کہیں خوشحال خان کے اصل خیالات مسخ نہ ہو جائیں۔ اس لئے انہوں نے خوشحال خان کے افکار کو فرضی نام سے پیش کیا۔

۱۹۳۶ء میں "ضرب کلیم" شائع ہوئی جس میں "محراب گل افغان کے افکار" کے زیر عنوان اشعار لکھے گئے ہیں۔ ان اشعار میں اگرچہ عصری مسائل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ مگر ان کی روح خوشحال خان کے کلام سے مستعار ہے ۔

اے مرے فقیر غیور فیصلہ تیرا ہے کیا　　خلعت انگریز یا پیرہن چاک چاک

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے　　مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرورش دل کی اگر مدنظر ہے تجھ کو　　مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

۱۔ اسلامک کلچر مئی ۱۹۲۸ء　　۲۔ بال جبریل

انواعِ تفسیر

مولانا نور محمد غفاری ایم اے

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اسی طرح آپ پر اتری ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید آخری صحیفہ ہدایت ہے۔ جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے رشد و ہدایت کا مصدر، دنیا و عقبیٰ کی فوز و فلاح کا محور اور خیر و رشد کی پرکھ کی کسوٹی ہے۔ اس کی تعلیمات "تحریکی انداز" رکھتی ہیں۔ یہ اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ جو گوہر گرانمایہ انہوں نے اس سے سمیٹے ہیں۔ انہیں دوسروں میں بھی بانٹیں، جو روشنی انہوں نے حاصل کی ہے۔ اسے لے کر کفر و نفاق کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکے ہوؤں کے پاس جائیں، جو عدل گستری اور امن پسندی، خیر خواہی اور خیر سگالی، برادری اور بھائی چارگی، مروت اور ہمدردی اور خوش اسلوبی اور حسن معاملگی کے سنہری اصول انہوں نے سیکھے ہیں، وہ انہیں بھی سکھائیں جو جہالت کی تاریکی میں سرگرداں ہیں۔ اور جو طہارت اور پاکیزگی کا درس انہیں قرآن حکیم نے دیا ہے وہ ان کو بھی پڑھائیں جو معاصی کی گندگی میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ یہی وہ درس ابلاغ تھا جو قرآن مجید نے ان مبارک الفاظ میں دیا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(آل عمران۔ ع۔ ۱۱)

اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ خیر کیطرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

....

اور اسی پڑھائے ہوئے سبق کا ہر عمل کا ہی نتیجہ تھا کہ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے جہاں مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے لئے شہروں، علاقوں اور ملکوں میں جماعتیں بھیجیں وہاں مسلمان علماء نے قرآن کے معانی و مطالب کی توضیح و تشریح میں بھی عمریں صرف کر دیں۔ اور آج عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں تفاسیر کے جو بیش قیمت مجموعے موجود ہیں وہ ان کی مساعی جمیلہ کے شاہد اور آئینہ دار ہیں۔ یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ جتنی محنت و کاوش اور تحقیق و تدقیق مسلمانوں نے قرآن کی شرح و ایضاح میں دکھائی

اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

خواجہ عبدالحی فاروقی سابق پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ کی تحقیق کے مطابق صرف عربی زبان میں اب تک جو تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ ان کی تعداد کئی ہزار ہے۔ ان میں سے بعض اتنی ضخیم بھی ہیں کہ ان کے اجزاء کی تعداد پانچ سو سے تجاوز کرتی ہے۔ (مثلاً تفسیر حدائق ذات البہجہ)۔

قرآنِ مجید اپنے معانی و مطالب کے اعتبار سے بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ جس کی تہ میں بے شمار گوہر آبدار پوشیدہ ہیں۔ اور ہر غواص کو کوئی نہ کوئی ایسا موتی ضرور مل جاتا ہے جو اس سے قبل کسی کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کی آج تک جتنی تفاسیر لکھی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک ہر دوسری تفسیر سے کسی نہ کسی خصوصیت کی بناء پر فائق ہے اور انوکھی کیفیت رکھتی ہے۔

____ تفسیر امتِ مسلمہ کی ادبی اور دینی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ جس کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آپ کی حیاتِ طیبہ قرآنِ مجید کی چلتی پھرتی اور منہ بولتی تفسیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہؓ نے تفسیر کلام اللہ کی خدمات سرانجام دیں اور ان کی تفسیر زیادہ تفسیر بالروایۃ تھی۔ کیونکہ صحابہؓ سے جو کچھ منقول تھا اسے پوچھنے والوں تک پہنچا دیتے تھے۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کا دور آتا ہے۔ یہ لوگ چونکہ صحابہ کرامؓ کے شاگرد تھے۔ لہذا انہوں نے جو تفاسیر لکھیں (یا زبانی بیان کیں) ان میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ صحابہؓ کو آیات کی تفسیر میں لکھ دیا کرتے تھے۔ ان کی تفسیر "تفسیر بالماثور" تھی۔ پھر تبع تابعینؒ کے دور میں بھی تفسیر بالماثور کا رجحان غالب رہا۔ اور یہ سلسلہ طبریؒ تک پہنچتا ہے۔ البتہ اسی دوران میں علوم القرآن کی تعداد بڑھتے بڑھتے سو تک پہنچ چکی تھی۔ اور اب ایک مفسر کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ ان تمام علوم کا جامع ہو۔ لہذا طبریؒ کے بعد مفسرین اپنے اپنے فنون میں محدود نظر آتے ہیں۔ اور انہوں نے علوم القرآن مثلاً ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول، امثال القرآن، اعجاز القرآن، محکم و متشابہ وغیرہ پر بکثرت تالیفات مرتب کیں۔ ان تالیفات کو مرتب کرنے والے چونکہ مختلف مکاتبِ فکر مثلاً شیعہ، سنّی وغیرہ کے علماء تھے، لہذا یہاں اختلاف ضرور تھا۔ مگر کشمکش کا سبب نہ بن سکا۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، ادھر دوسری طرف معاشرتی معاشی اور سیاسی حالات بدلتے جا رہے تھے جو اجتہاد کو دعوت دے رہے تھے۔ تیسری طرف اسلامی حکومت تھی جس کی حدود سپین سے لے کر کاشغر تک، اور یمن سے لے کر روم اور شام تک پھیل چکی تھیں اور بعض عجمی اقوام اپنے عجمی افکار اور نظریات کے ساتھ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ چوتھی طرف یونانی فلسفہ تھا جو سرکاری سرپرستی میں

اپنا اثر جما رہا تھا۔

اگرچہ مندرجہ بالا تمام اسباب نے تفسیر پر اثر انداز ہوئے۔ لیکن جس چیز نے تفسیر پر گہرے نقوش چھوڑے وہ یونانی فلسفہ تھا جو ایسے تند و تیز سیلاب کی مانند تھا کہ اسلامی افکار کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جانا چاہتا تھا۔ اور اسے تاریخ کا اپنے آپ کو دہرانا کہیئے یا انسانی فطرت کی کمزوری کا نام دیجئے، چڑھتے سورج کی پوجا کے نام سے یاد کیجئے یا امت کے اس گروہ کی بدنصیبی سمجھئے کہ جہاں ایسے راسخ العقیدہ اور مخلص تھے جو اس سیل کو تھامنے کے لئے سیل بن کر آئے وہاں چند انسانوں کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جو اپنے آپ کو موجوں کے حوالے کر دینا ہی باعثِ فخر سمجھتا تھا۔

فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ ؏ آنچہ عار تست او فخر من است

غرض اس جدید رجحان نے مفسرین حضرات کو تین گروہوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔ ایک طرف تو وہ حضرات تھے۔ جو "تفسیر بالماثورہ" کی روش اختیار کئے ہوئے اور نہایت محتاط واقع ہوئے تھے۔ دوسری طرف متکلمین اسلام تھے جو عقل اور نقل کے سنگھم پر کھڑے تھے۔ اور تیسری طرف یونانی فلسفہ کے متاثرین اور معتقدین تھے۔ جنہیں امت نے "معتزلہ" کا نام دیا۔ یہی وہ لوگ تھے، جنہوں نے "تفسیر بالرائے" کی نیو رکھی اور پوری امت کو نظریاتی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ اس گروہ کے بڑے بڑے وکلاء واصل بن عطا، ابو عبیدہ بن قاسم، جبائی، رمانی اور زمخشری تھے۔ اگرچہ شروع شروع میں اس گروہ نے بہت زور پکڑا اور مسئلہ خلق قرآن کھڑا کر کے علماء امت کو ابتلا میں ڈال دیا۔ مگر الحمدللہ! متکلمین اسلام نے اپنے براہینِ قاطعہ سے ان لوگوں کو بے دست و پا کر دیا۔ بالآخر یہ فرقہ ختم تو ہو گیا لیکن "تفسیر بالرائے" کی جو روش یہ چھوڑ گیا اس پر کئی گمراہ اشخاص چلے، خود بگڑے، کتنوں کو بگاڑ گئے اور بگاڑ رہے ہیں ۔۔

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ مانندِ حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو نقش بٹھا کے اٹھے

زوالِ بغداد کے بعد امت پر ادبار آیا، اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تمام نئی قائم شدہ حکومتیں یورپ کی عیسائی اقوام کے زیرِ اثر آگئیں جن کے سیاسی نظریات، فلسفیانہ افکار اور تہذیبی رجحانات نے تفسیری ادب کو بھی متاثر کیا۔ چونکہ عیسائی مشنریوں نے اپنا سارا زور عیسائیت کی تبلیغ پر صرف کر دیا۔ اور مسلمان ان کا اثر قبول کئے بغیر نہ رہ سکے تو علماء نے ایسی تفاسیر بھی لکھیں جن میں عیسائیت اور دیگر گمراہ فرق کا کھل کر رد کیا۔ مثلاً تفسیر حقانی۔ بعض ایسی تفاسیر لکھی گئیں

جو مغرب زدہ ذہن کی پیداوار ہیں۔ مثلاً "سر سید احمد خان کی تفسیر القرآن"۔ بعض ایسی تفاسیر بھی لکھی گئیں جو امت میں زبردست ہیجان اور انتشار کا موجب بنیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کی تفاسیر۔ بعض تفاسیر سائنس کی روشنی میں مرتب ہوئیں۔ مثلاً علامہ جوہری طنطاویؒ کی تفسیر جواہر القرآن۔

یہاں تک کہ امت کی نشاۃِ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ عالمِ اسلام سے یورپی اقوام کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ مسلمانوں نے علمِ آزادی بلند کیا اور یکے بعد دیگرے تمام اسلامی ممالک طاغوتی طاقتوں کے غاصبانہ قبضہ سے آزاد ہو گئے۔ البتہ ذہنی غلامی بدستور ہے۔ اور یہ ان کے سیاسی، معاشی اور تمدنی نظریات کا قبول کرنا ہے۔ اس ذہنی اسیری کو ختم کرنے اور اسلام کو بحیثیت مکمل ضابطہ حیات تسلیم کرانے کے لئے مفسرین نے ایسی تفاسیر لکھی ہیں جنہیں "تحریکی" کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً سید قطب کی "فی ظلال القرآن"۔

ان سب کے ساتھ ساتھ ایک گروہ ایسا تھا جو نہ تو ذہنی پراگندگی کا شکار تھا۔ اور نہ فلسفہ سے مرعوب، نہ سائنسی ترقی نے انہیں حیرت میں ڈالا۔ اور نہ بدلتے ہوئے حالات انہیں اپنی جگہ سے ہلا سکے۔ ان کا اپنا الگ نہج تھا جس پر وہ قرآن کی تفسیر کرتے تھے۔ یہ گروہ متصوفہ کا تھا۔ اس گروہ کی نمایاں شخصیتیں ابن العربیؒ ابو محمد سہل بن عبداللہ تستریؒ متوفی ۲۸۳ھ ہیں۔ بعض نے اسی گروہ کو باطنیہ کا نام دیا ہے۔

علاوہ ازیں، خوارج، روافض، اسماعیلی، جبریہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ مستقل الگ فرقے تھے۔ جنہوں نے تفسیر پر دیرپا اثر چھوڑے ہیں۔

الغرض، اس تاریخی تعارف کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج تک قرآنِ حکیم کی جتنی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ انہیں تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ تفسیر بالماثور۔   ۲۔ تفسیر بالرائے۔   ۳۔ تفسیر یا تاویلِ صحیحہ۔

۱۔ تفسیر بالماثور: ماثور کا مادہ اثر ہے۔ اثر کے معنی ہیں، نشان، نقشِ پا وغیرہ۔ ماثور ایسے طریقہ یا راستے یا نشان کو کہتے ہیں۔ جو بار بار اختیار کیا گیا ہو۔ اس کے دوسرے معنی کسی کے نقشِ قدم پر چلنا کے ہیں۔ لہٰذا تفسیر بالماثور وہ ایسی تفسیر کو کہتے ہیں جو دوسروں کے اختیار کئے ہوئے طریقہ پر کی جائے۔

اصطلاح میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر بالماثور اس تفسیر کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ پاک کے معنی اور مفہوم کے تعین میں اصل انحصار احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر کیا جاتا ہے۔

۲۔ تاریخی ارتقاء | اس طریقہ تفسیر کا آغاز اگرچہ حضرات صحابہؓ کے زمانے میں ہوا تھا۔ مگر تابعینؒ کے دور میں اس کی زیادہ ترقی ہوئی۔ تابعینؒ نے تفسیری احادیث کے ساتھ ساتھ اقوالِ صحابہؓ کو بھی اکٹھا کر دیا اور صحیح معنوں میں "تفسیر بالماثورہ" کی ابتدا کی۔ اگرچہ بعد کے ادوار میں فلسفہ، سائنس اور وسعت سلطنت کی بناپر واقع ہونے والی سیاسی، سماجی اور معاشی تبدیلیوں کی وجہ سے تفسیر بالماثور پر اکتفا کرنا کافی نہ سمجھا گیا۔ اور بہت سے دیگر علوم کو اپنایا گیا مگر بعض ایسے مفسرین بھی تھے، جنہوں نے تابعینؒ کے بعد کے زمانے میں بھی ایسی تفاسیر مرتب کیں جنہیں "تفسیر بالماثور" کا نام دیا جا سکتا ہے۔ استاد امین خولی کی تحقیق کے مطابق کتب ماثورہ کا اثر تیسری صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔

(بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۶ "بیان تفسیر")

۳۔ تفسیر بالماثورہ کی چند شرائط :-

ا۔ تعبیر کی شستگی

ب۔ روایات کی چھان پھٹک کی جائے۔

ج۔ اور اسانید کا ذکر کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

۴۔ چند تفاسیر بالماثور :-

ا۔ "جامع البیان فی تفسیر القرآن" مشہور بہ تفسیر طبریؒ

ب۔ "تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ"

ج۔ "تفسیر القرآن العظیم" مشہور بہ تفسیر ابن کثیرؒ

د۔ "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" از علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ

ہ۔ "المحرر الوجیز فی التفسیر الکتاب العزیز" مشہور بہ تفسیر ابن عطیہؒ۔
(استاد امین خولی کے قول کے مطابق یہ تفسیر بھی بالماثورہ ہے۔

یہ صرف ان تفاسیر کے نام ہیں جو دستیاب ہیں۔

۲۔ تفسیر بالرائے | یہ تفسیر کی وہ نوع ہے۔ جو عقل جزئی کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے ــــ اور "اَلحَسَنُ مَا حسنہُ العقلُ وَالقبیحُ مَا قبحہ العقلُ" کے محور پر گردش کرتی ہے۔

تفسیر بالرائے اور کلامی تفسیر (جس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔) میں بنیادی فرق یہ ہے کہ :

ا۔ وہاں عقل دل کی پاسبان رہتی ہے۔ جبکہ تفسیر بالرائے میں دل عقل کا غلام بن جاتا ہے۔

۲۔ کلامی تفسیر میں رائے پر قرآن و سنت اور اقوالِ صحابہؓ کے پہرے بٹھا دیے گئے ہیں۔ لہذا یہ رائے شریعت سے ماخوذ ہے اور اسی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْل۔

اور اسی امر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے قول "اِلَّا فَھْمًا یُؤتَاہُ الرَّجلُ فِی القرآن" سے مراد لیا ہے۔

اور تفسیر بالرائے میں رائے پر عقل جزئی کا غلبہ ہوتا ہے۔

۳۔ تفسیر کلامی میں عقل کو چراغِ راہ تو سمجھا گیا ہے۔ تفسیر بالرائے کی طرح منزل نہیں ؎

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ تو ہے منزل نہیں ہے

۴۔ تفسیر بالرائے میں عقل معیارِ حق ہے۔ جبکہ کلامی تفاسیر میں عقل حق تک رسائی کے ذرائع میں سے ایک ہے۔

۵۔ تفسیر بالرائے میں پہلے معنی کو خیال میں جما لیا جاتا ہے۔ پھر قرآنی الفاظ کو اپنے سوچے سمجھے معنی پر محمول کر دیا جاتا ہے۔ لیکن تفسیر کلامی میں ایسا نہیں کیا جاتا۔ بلکہ قرآن اور عقل میں تطابق کیا جاتا ہے۔ ورنہ قرآنی احکامات کو قبول کر لیا جاتا ہے اور عقل کو اس کی جائز حدود سے تجاوز کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

ہمارے اسلاف

حضرت مولانا حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ

جناب محمد اقبال قریشی
ہارون آبادی

حضرت مولانا حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے حالات ان کے ایک مرید حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم نے "رسالہ مونس ہجر یاراں" میں تحریر فرمائے تھے۔ مذکورہ "رسالہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ" میں محفوظ ہے۔ افسوس ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ احقر کو ان کے حالات باوجود بسیار تلاش کے نہیں ملے۔ تاہم جو کچھ لکھ رہا ہوں، مضمون کی مناسبت سے کافی ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

۔محمد اقبال۔

حضرت مولانا حافظ محمد ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا اصلی وطن تھانہ بھون ضلع مظفرنگر ہے۔ آپ صاحب نسبت کامل ولی اللہ تھے۔ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس سرہٗ کے مرید باصفا اور خلیفہ مجاز تھے۔ بڑے صاحب فضل وکمال اور کشف وکرامات تھے۔ مگر تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی پاس آتا تو فرماتے: "بھائی اگر تجھے مسئلہ پوچھنا ہے (حضرت[1] مولانا شیخ محمد تھانویؒ کیطرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں۔ اور اگر تجھے مرید ہونا ہے۔ (تو سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کیطرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں۔ اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جاؤ" (ارواح ثلاثہ ص۲۴۵) باوصف خانہ داری اور اہل وعیال سے نہایت آزاد اور مستغنی رہتے تھے۔ گویا فکر دنیا پاس نہ پھٹکا

---

[1] ان دنوں یہ تینوں اقطاب ثلاثہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں تشریف رکھتے تھے۔ اور خانقاہ مذکور دکان معرفت کہلاتی تھی۔

تھا۔ دانائے عصر اور علمائے زمانہ میں ہر ایک آپ کا مخلص اور معتقد تھا ہر وقت عشق الٰہی میں مست و سرشار رہتے تھے۔ دل کی کیفیت چہرہ مبارک سے معلوم ہوا کرتی تھی محبت الٰہی کا صورت شریف پر ہر آن ظہور تھا۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۱۵۷)

پیر و مرشد سے محبت | حضرت مولانا حافظ محمد ضامن صاحب رح کو اپنے شیخ سے اتنی محبت تھی کہ حضرت میانجیو رح کے ہمراہ جوتا بغل میں لے کر اور توبرہ گردن میں ڈال کر جھنجھانہ جاتے تھے۔ ان کے صاحبزادہ کی سسرال بھی وہیں تھی۔ لوگوں نے کہا اس حالت سے جانا مناسب نہیں۔ وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ فرمایا رشتے کی ایسی تیسی! میں جانے میں اپنی یہ حالت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۶)

حضرت مولانا مہاجر مکی رح کی نظر میں | حضرت حاجی صاحب رح اپنے خواجہ تاش حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رح کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں ؎

عالم و زاہد ولی اہل مقام — متقی و پارسا و نیک نام
یعنی ہیں حافظ محمد ضامن رح اب — فیض کی طالب ہے جن سے خلق سب

(مجموعہ کلیات امدادیہ ص ۱۴)

شہادت | ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں تھانہ بھون اور شاملی کے معرکہ میں شریک رہے اور اسی معرکہ میں زیر ناف گولی لگ کر شہید ہو گئے۔ شہادت کا کشف پہلے ہی ہو چکا تھا۔ شہادت کے دن زیب و زینت سے دولہا بن کر غسل کر کے اور سرمہ لگا کر نکلے اور ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ کو ظہر کے وقت شہادت پائی۔ "شہادت مرشد ہادی" سے تاریخ شہادت نکلتی ہے۔ ۱۲۷۴ھ شیخ العرب و العجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے مرثیے لکھے جس سے آپ کا کمال مرتبت ظاہر ہے۔

حضرت شیخ تھانوی رح سے محبت | حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رح سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے۔ مجھ سے کمال الفت کرتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۷) واضح ہو کہ حضرت حکیم الامت رح اس وقت بچے تھے۔

ملفوظات

بروایت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح

ذکر اللہ کی فضیلت | فرمایا جو شخص لذات کا طالب ہے وہ حق تعالیٰ کا طالب نہیں کیونکہ لذت

عین حق تو نہیں۔ بس عاشق صادق وہ ہے۔ جو حق کا طالب ہو نہ احوال کا نہ مواجید کیونکہ یہ باتیں نہ موعود ہیں
نہ لازم ہیں کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں۔ اس لئے ان کی طرف التفات ہی نہ کرنا چاہئے۔ توجہ صرف
اس چیز کیطرف کرو جو بوجہ موعود ہونے کے مرتب ہوتی ہے۔ وہ کیا ہے توجہ حق الی العبد۔ چنانچہ
حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ اسی کی نسبت فرماتے تھے کہ ہمارا مقصود تو ذکر ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے
ہیں فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ۔ یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ یہ ایسا ثمرہ ہے۔ جس میں بوجہ وعدہ
کے کبھی تخلف ہی نہیں ہوا کرتا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اس لئے یاد کیا کریں کہ وہ ہمیں یاد کیا کریں گے۔ اس کے
سوا حیات دنیا میں ہم کسی اور ثمرہ کے طالب نہ ہوں۔ باقی اصل ثمرہ یعنی رضا و دخول جنت وہ تو آخرت میں
ہی ہوگا۔ بس اور کیا چاہئے۔ ایسا شخص جس کا یہ مطلب ہو کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ یہ ہے حقیقت مقصود
سلوک کی، مگر ہم اس میں بھی بدون اتباع ہوی کئے ہوئے نہ رہے۔ (الھوی والھدیٰ صـ۳۱)

نیک صحبت کا اثر | فرمایا: قصبہ رام پور کے ایک رئیس حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرۃ
حافظ صاحب شہیدؒ کے مرید ہوگئے اور ان کے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں آنے جانے
لگے ان کے فیض صحبت سے حالت بدل گئی۔ دنیا کیطرف سے بے رغبتی اور آخرت کی جانب رغبت
پیدا ہوگئی ان کے باپ کے پاس ایک دفعہ کچھ گنوار آئے اور کہنے لگے تمہارے بیٹے کا بڑا افسوس ہے۔
فقیر ہوگیا وہ بولے تیر بھائی۔ تو ایک گنوار کیا کہتا ہے۔ اجی بری صحبت ایسے ہی ہوتے جبھی تو بڑے
بوڑھے بری صحبت سے منع کریں، دیکھو نہ بگڑ گیا فقیر ہوگیا۔ تو گویا بے وقوفوں نے دینداروں کی صحبت
کو بری صحبت سمجھا، استغفر اللہ۔ ان ہی حضرت حافظ صاحبؒ کا ایک اور واقعہ ہے۔ کہ کوئی جوان
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا۔ اسکی حالت بدلنے لگی، ایک بار اس کا باپ حاضر ہو کر نہایت بیباکی
سے کہنے لگا کہ جب سے میرا بیٹا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حضرتؒ تھے بڑے جلالی، فرمایا
اپنے بیٹے کو ہمارے پاس نہ آنے دو، روک دو ہمارے پاس جو کوئی آئے گا ہم تو اسے بگاڑے
ہی جسکو لاکھ مرتبہ غرض ہو اور بگڑنا چاہے وہ ہمارے پاس آئے، ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہم نے تو
اپنے پیر سے بگاڑنا ہی سیکھا ہے۔ اجی جو بگڑنے سے ڈرے وہ ہمارے پاس آوے ہی کیوں۔ ایسے
کے پاس جائے جسے سنوارنا آتا ہے۔ لوگ کیوں ہمارے پاس بگڑنے آتے ہیں۔ ہم کسی کو بلانے نہیں جاتے
(طریق القلندر کحریق السمندر صـ۳۹، فضائل العلم والخشیۃ صـ۵۵)

جنم روگ | فرمایا: ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحبؒ نے ایک شخص سے پوچھا تھا کہ آپ
کا لڑکا کیا پڑھتا ہے۔ کہا قرآن حفظ کرتا ہے۔ فرمایا ارے اس بیچارے کو کیوں جنم روگ لگا دیا۔ حافظ صاحبؒ

میں مزاح بہت تھا۔ اس لئے گفتگو کے عنوان ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ مگر حقیقت اس کی یہ تھی کہ حفظِ قرآن ایک دن کا کام نہیں ہے۔ ساری عمر اسی میں لگا رہے تب تو محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ بہت جلد حفظ سے نکل جاتا ہے۔ (الرحیل الی الخلیل صـ ۲۴)

مجاہدہ کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ | فرمایا: حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت بارہ تسبیح بتلا دیجئے، حضرتؒ خفا ہو کر فرمانے لگے کہ واہ ساری عمر میں ایک یہی شئے تو حاصل ہوئی یہی تجھے بتلا دوں۔ میاں جس طرح ہم کو ناک رگڑ کر ملی ہے اسی طرح تم ناک رگڑو۔ جی چاہیے کا بتلا دیں گے۔ تم چاہتے ہو مفت سفت میں دولت حاصل ہو جائے۔ دیکھو اگر کسی تاجر کے پاس جاؤ اور کہو ایسا طریقہ بتلا دو کہ دس روپے روز آ جایا کریں۔ تو وہ یہی کہے گا کہ میاں تم احمق ہو، کام کرو، ہم سے اصول تجارت سیکھو ہماری خدمت کرو اور خدا تعالیٰ پر نظر رکھو اس کے بعد تجارت کرو دیکھو اللہ تعالیٰ برکت کرنے والے ہیں۔ بتدریج مالدار ہو جاؤ گے۔ (اسباب الفضائل صـ ۱۴)

بعضے فضائل دینیہ بھی بدوں بزرگوں کی صحبت میں رہے اور مجاہدہ کئے بغیر گھر بیٹھے حاصل نہیں ہو سکتے۔ عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے صحیح فرمایا ؎

مئے یہ ملی نہیں یونہی دل و جگر ہوئے ہیں خوں ۔۔۔ کیوں میں کسی کو مفت دوں مئے مری مفت کی نہیں

اس لئے ہمیں حتی المقدور بزرگوں کی صحبت میں رہ کر مستفید و مستفیض ہونا چاہیے کیونکہ ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ۔۔۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اتباعِ سنت میں ہر امر میں اعتدال ہے | فرمایا: حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص بارادہ بیعت آیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کچھ دنوں کھانا کم کھایا کرو۔ تب بیعت کریں گے۔ ایک روز کے بعد وہ شخص پھر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضرتؒ اگر حکم ہو تو روزہ رکھ لوں مگر یہ تو بڑی مشکل بات ہے کہ سامنے مزے دار حلال طیب کھانا موجود ہو اور پھر کم کھاؤں۔ حضرتؒ نے فرمایا بس اسی منہ سے کہتے ہو کہ اللہ کا نام لوں گا، اتنا بھی نہیں ہو سکا۔ صاحبو! سنت کا اتباع اسی واسطے لوگوں کو ناگوار ہے کہ اس میں ہر امر میں اعتدال ہے اور یہ نفس کو بھاری اور کٹھن ہے اور منشاء اس ناگواری کا یہ ہے کہ نفس چاہتا ہے آزادی کو۔ اور نیز شہرت کے لئے اپنے حظوظ کو بالکلیہ ترک کر دینا تو اس لئے آسان ہے کہ اس میں ایک آزادی ہے اور مخلوق کی نظروں میں بڑائی ہے۔ کہ فلاں درویش کھانا نہیں کھاتے اتنے برسوں سے انہوں نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اور اعتدال دشوار ہے۔ کہ اس میں شہرت نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں صورۃً امتیاز نہیں ہوتا۔ (الشکر صـ ۲۰)

تعارف و تبصرۂ کتب

- سمیع الحق
- جناب اختر راہی۔ ایم اے

<u>سوانح مولانا رسول خان ہزاروی</u> | مرتب مولانا قاری فیوض الرحمان ایم اے۔ قیمت مجلد -/۵ روپے
صفحات ۱۷۷۔ ناشر: پاکستان بک ڈپو سنٹر اردو بازار لاہور۔

بقیۃ السلف مولانا رسول خان ہزاروی مرحوم سابق استاد دار العلوم دیوبند اپنے وقت کے استاذ العلماء اور شیخ الکل عالم ربانی تھے، شریعت و طریقت منقول و معقول کے بیک وقت جامع علمی تبحر و عبقریت کے علاوہ سادگی وقار، عالمانہ متانت زہد و ورع، ہر لحاظ سے اکابرین دیوبند کا صحیح نمونہ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ کو آپ کا وصال ہوا، ایسے یادگار سلف، شیخ الکل بزرگ کی سوانح کی ترتیب و اشاعت اہم علمی ضرورت تھی جس کی توفیق خداوند تعالیٰ نے قاری فیوض الرحمان صاحب کو دی جنہیں حق تعالیٰ نے مشاہیر علم و فضل بالخصوص علماء سرحد کے احوال و سوانح مرتب کرنے کا خاص شغف دیا ہے۔

مرتب نے صاحب سوانح کے بارہ میں ان کے اصحاب علم و فضل مشاہیر تلامذہ کے تاثرات نیز وفات پر علمی دنیا کے تاثرات تعزیتی مضامین اور خود اپنے قلم سے سوانح مرتب فرما کر علمی دنیا پر احسان کیا قاری صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ ایک حد تک مولانا کی سوانح پر کافی مواد جمع فرمایا۔ مگر ضرورت اس سلسلہ میں مولانا کی شخصیت علم و فضل اور کمالات پر مزید کام کرنے کی بھی ہے۔ حق تعالیٰ مرتب کتاب کو اسی علمی خدمت کا اجر عطا فرمادے اور ان کی یہ خدمات بارگاہ خداوندی میں مشرف بقبول فرمائیں۔

قاری فیوض الرحمان کیطرف سے ان ہی کے قلم سے حسب ذیل کتابچے بھی موصول ہوئے ہیں۔

(الف) قصائد حسان بن ثابت رض۔ ناشر: جمعیۃ قوۃ الاسلام۔ الممتاز کچہری روڈ لاہور، قیمت -/۲.۵۰ روپے صفحات ۱۱۲۔ شاعر رسول جلیل القدر صحابی کے اشعار و قصائد، اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ۔

(ب) دعائیں۔ ناشر: پاکستان بک سنٹر۔ اردو بازار لاہور۔ قیمت ۸۰ پیسے۔ صفحات ۴۰۔ قرآن و حدیث سے منقول دعائیں۔

(ج) جدید قرآنی قاعدہ۔ ناشر: سابقہ پتہ، صفحات ۴۸۔ اردو دان طبقہ کیلئے ہر سہ رسائل کا مطالعہ مفید ہے۔
(سمیع الحق)

لغت کبیر اُردو جلد اوّل | مؤلف :۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق مرحوم ۔ ناشر : انجمن ترقی اردو۔ بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱ ۔ صفحات : ۷۲۰ ۔ طباعت : ٹائپ ۔ قیمت : پندرہ روپے صرف

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی پوری زندگی اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں گزری۔ انہوں نے انجمن ترقی اردو کے سیکرٹری کی حیثیت سے کئی ایسے کام کئے جن سے ان کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔ جن دنوں مولوی مرحوم، جامعہ عثمانیہ سے منسلک تھے۔ حکومت حیدرآباد کی مالی امداد سے ایک مثالی اُردو لغت کی ترتیب وتدوین کا کام شروع کیا تھا۔ مولوی مرحوم جس کام کو شروع کرتے تھے۔ اس میں بے مثال لگن اور دلچسپی رکھتے تھے۔ جامعہ عثمانیہ سے تعلق منقطع ہونے کے باوجود لغت کا کام جاری رہا۔ تقسیم ہند سے پہلے لغت طباعت کے مراحل میں تھا۔ تقسیم ہند کے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران میں انجمن کے مرکزی دفتر دہلی میں آگ لگائی گئی۔ اور یہ عظیم منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ان حالات میں مولوی مرحوم لغت کا کچھ مسودہ کراچی منتقل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ازسرنو اس منصوبے کی تکمیل میں مصروف ہوگئے مگر قدرت کو منظور نہ تھا کہ وہ خود اس کام کو مکمل کر سکتے۔

انجمن کے پاس "الف ممدودہ، الف مقصورہ، ب اور بھ" پر مکمل مواد موجود ہے۔ زیر نظر جلد اوّل "الف ممدودہ" کے لفظ "آگ" تک اردو زبان کے جملہ الفاظ ومحاورات پر مشتمل ہے۔

اُردو لغات اور لغت نویسی کے موضوع پر مولوی مرحوم کا چالیس صفحات پر محیط پُرمغز مقدمہ شامل کتاب ہے۔ جو بذات خود ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ مولوی مرحوم کی یہ کوشش بوجوہ دوسرے لغات سے ممتاز ہے۔ مثال کے طور پر :

۱۔ لغت میں ولی دکنی کے دور سے لیکر اس وقت تک کے جملہ مستعمل الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۲۔ لغت میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ کوئی لفظ مفرد یا مرکب یا نادر الاستعمال محاورہ، مثل، علمی یا فنی اصطلاح چھوٹنے نہ پائے۔ دوسری زبانوں کے مفرد یا مرکب الفاظ جو اردو میں رائج ہیں یا رائج رہے ہیں۔ لغت میں درج کئے گئے ہیں۔

۳۔ مفرد یا مرکب لفظ کے جملہ معانی کا دقت نظری سے احاطہ کیا گیا ہے۔ اور ہر معنی کی سند اردو زبان کی مستند کتابوں سے دی گئی ہے۔

۴۔ ہر لفظ کی مختلف شکلیں دی گئی ہیں۔

۵۔ اعراب کے ضبط میں جستجو اور کاوش سے کام لیا گیا ہے۔

۶۔ الفاظ کے اشتقاق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

زیر نظر لغت میں ہر لفظ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ کب، کسطرح اور کس شکل میں اردو زبان میں آیا اور ابتدا سے تاحال اس کی شکل وصورت اور معانی میں کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اس کے کون سے معنی متروک ہوگئے اور کون سے باقی ہیں۔ اور کون کون سے نئے معانی پیدا ہوئے۔ ان تمام امور کی توضیح کے لئے زبان کے معتبر ادیبوں کے کلام سے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

بابائے اردو کے اس لغت کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسے اردو زبان و ادب میں وہی مقام حاصل ہے، جو انگریزی زبان میں آکسفورڈ ڈکشنری OXFORD DICTIONARY کو ہے۔

انجمن ترقی اردو بابائے اردو کے مشن کو آگے بڑھا رہی ہے اور انجمن کے ارباب بست وکشاد سے بجا طور پر توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اس بے نظیر لغت کو اسی معیار پر پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کوشاں رہیں گے۔

بدایوں ۱۹۴۷ء میں | مؤلف: محمد سلیمان بدایونی ۔ صفحات: ۱۷۴ قیمت: دو روپے ۔

ناشر: پاک اکیڈمی ۱۴۱/۱ وحید آباد کراچی ۔ ۱۸ ۔

مولوی محمد سلیمان بدایونی، بدایوں کی چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ "بدایوں ۱۹۴۷ء میں" موصوف نے بدایونی مسلمانوں کی معاشرتی حیثیت اور ہندو مسلم جھگڑوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مؤلف نے اس امر پر زور دیا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمانوں کی جان ومال محفوظ تھی مگر اس کے بعد ہندو فسادیوں نے بے گناہ مسلمانوں کے خون سے خوب ہولی کھیلی۔ کتاب میں قیام پاکستان سے ۱۹۵۷ء تک مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کا جائزہ لیا گیا ہے۔

آخر میں جناب محمد ایوب قادری صاحب کے قلم سے مرحوم مؤلف کا تعارف ہے۔

(اختر راہی)

تحسین و تبریک

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نائب صدر مرکزی مجلس عمل اور ایڈیٹر الحق کے نام قارئین کے خطوط

——— ہمہ گیر خوشیاں
——— بے پناہ مسرّتیں!

قادیانی مسئلہ میں فتح ہر مسلمان کے لئے ذاتی خوشیوں کا باعث ہے، بجا طور پر ہر فرد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا ہے۔ ملّت مسلمہ ایک جسدِ واحد ہے اور آج ساری ملّت ایک جان ہو کر مسرّتوں سے جھوم اٹھی ہے۔ ذیل میں چند ایسے خطوط کے اقتباسات دیے گئے ہیں۔ ——— ادارہ ———

——— اس عظیم کامیابی پر اپنی اور ارکان جمعیۃ اتحاد العلماء پاکستان کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں دوسری دینی فتح یابیوں کا ایک دروازہ کھل گیا ہے، مشترکہ مجلس عمل کی شکل میں اتحاد و اتفاق کو اسی طرح باقی رکھ کر مجلس عمل کی سرکردگی میں مملکت کے اندر مکمل اسلامی نظام قرآن و سنّت کے مطابق جیساکہ آئین میں تسلیم کیا گیا ہے، عملاً جاری و نافذ کرائیں اور ایسی فضا پیدا ہو کہ اسلام کے سوا کسی اور ازم کا کوئی نام تک نہ رہے سکے۔ قادیانیت کے اس مورچہ پر اس فتح مندی کے بعد اب باطل کی دوسری کمین گاہوں کو شکست دینی چاہیئے۔

مولانا سید سیاح الدین کاکاخیل صدر جمعیۃ اتحاد العلماء پنجاب۔ لائل پور

بلاشبہ تحریک میں سارے ملک نے حصّہ لیا مگر اس سے قبل ملکی اخبارات اور قومی اسمبلی کا ریکارڈ گواہ ہے کہ آپ قومی اسمبلی میں باطل کے اس عفریت پر کاری ضربیں لگاتے رہے ہے۔ میں دین کے ایک خادم کی حیثیت سے جناب اور دارالعلوم حقانیہ کے ماہنامہ الحق اور اس کے مدیر کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ یہ سب تحریک کے فروغ اور تکمیل کے کام آئے۔

غلام نبی شاہ مہتمم مدرسہ سراج العلوم چھوٹی مانسہرہ۔

— بے لوث کوششیں بارآور ہوئیں اب یہ ملک اسلامی بن جائے گا۔ انشاءاللہ
مولانا حسین احمد مجاہد کالونی۔ کراچی

عقیدہ ختم نبوتؐ کے قانونی تحفظ کے لئے آپ کے مساعی ساری امت کیطرف شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس گنہ گار کیطرف سے بھی ہدیۂ مبارک قبول فرمادیں۔
قاضی زاہد الحسینی۔ کیمبل پور

اس عظیم فتح میں علماء اور عوام کا اتحاد قابلِ تحسین ہے۔ اور آئندہ بھی اسی جذبۂ اتحاد سے دیگر قومی و دینی مسائل حل کرنے کی توقع ہے۔ محاذ بھٹو سے اسی ہمت و جرأت سے کام لے کر مسئلہ کشمیر حل کرانے کی اپیل کرتا ہے۔ اب علماء کرام بھٹکے ہوئے مرزائیوں کو دینِ حق کا راستہ دکھائیں۔
محمد عبدالجبار شاکر چیئرمین محاذ سالمیت۔ پاکستان۔ لندن

- — فیصلہ ۷ ستمبر میں آپکے مساعی پر مبارکباد اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمادے۔ (حافظ محمد الیاس پنجاب یونیورسٹی لاہور)
- — اس مسئلہ کے حل پر مبارکباد پیش ہے۔ (نور محمد غفاری لکچرار شعبۂ عربی۔ بہاول نگر)
- — یہ تاریخ ساز دانشمندانہ فیصلہ پوری قوم کے جذبات و احساسات کا آئینہ دار ہے۔
نور محمد ملک واپڈا کالونی۔ لاہور
- — اللہ اس سعی و کوشش کو قبول فرمادے۔ (حفیظ اللہ حسینی قادر آباد کالونی گوجرانوالہ)
- — رذیل دشمن کی سرکوبی پر ہزار مبارکباد۔ اکابر کی بے انتہا سعی رنگ لائی۔ (حافظ ابن یامین ہنگو)
- — مبارکباد قبول فرمادیں۔ (قاضی عبدالکریم۔ کلاچی)
- — اقلیت قرار دینا مبارک ہو۔ (حافظ محمد اشرف۔ پشاور)
- — اقلیت کے خلاف تحریک کی کامیابی پر مبارکباد۔ (مجلس عمل فقیروالی)
- — الحمدللہ مسئلہ ختم نبوت کا تحفظ ہو گیا۔ مبارکباد۔ (محمد شفیق ہزاروی۔ کراچی)
- — میری دلی مبارکباد قبول ہو۔ اب معاشی مسائل کے اسلامی حل پر توجہ دیں۔ (طاہر قریشی ایڈوکیٹ لاہور)
- — حق تعالیٰ آپ اور تمام رفقائے کار کو اس مسئلہ کی شریعت محمدی کے مطابق حل کرنے کی مساعی کا اجر عطا فرمائے۔ (امداد حسین و توجیہ۔ جہلم)